مغل اعظم اکبر نہیں اورنگ زیب

اورنگ زیب نے ہندوستان کو دنیا کا سب سے دولت مند ترین ملک بنادیا تھا

اورنگ زیب عالمگیر عالم جوانی میں

مغل اعظم کون تھا؟ اکبر اعظم یا پھر اورنگ زیب عالمگیر؟ آخر اکبر کو ہی مغل اعظم کیوں کہا جاتا ہے اورنگ زیب کو کیوں نہیں؟ اگر اورنگ زیب نے ہندوستان کو دنیا کا سب سے دولت مند ترین ملک بنایا تھا' تو مغل اعظم وہ کیوں نہیں' اکبر کیسے؟ یہ ایک بحث ہے' جس کو دنیا نظر انداز کرتی رہی ہے۔ اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اکبر کا مذہبی نہ ہونا اس کے حق میں گیا اور اورنگ زیب کا مذہبی ہونا اس کے خلاف؟

آج جب ہندوستان میں ایک بڑا طبقہ اس پروپیگنڈہ اور تشہیر میں مصروف ہے کہ اورنگ زیب ظالم' ہندوؤں کا دشمن اور سخت گیر تھا' مگر اس پروپیگنڈے کے دوران ایک طبقہ ایسا بھی ہے' جو اورنگ زیب کے دور کے بارے میں ایسے حقائق سامنے لا رہا ہے' جو اب تک دنیا کے سامنے نہیں آسکے تھے یا لائے ہی نہیں گئے تھے۔ ایسے حقائق جو مغل بادشاہوں' بشمول اورنگ زیب کو انصاف پرور بادشاہ ہونے کے ساتھ ایک کامیاب تجارتی دماغ بھی تسلیم کراتے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ انگریزوں نے ہندوستان کو لوٹا' جبکہ مغلوں نے ہندوستان کو تعمیر کیا۔ ملک میں آباد ہوئے اور اسی سرزمین پر دفن بھی ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ چند سال قبل تک مغلوں کے بارے میں یہ بحث نہیں تھی کہ وہ حملہ آور تھے۔ وہ ہندوستان میں آئے اور آباد ہوئے۔ انہوں نے ملک میں یک جہتی پیدا کی۔ ہندوستان میں شادیاں کیں۔ ان کی تہذیب پر ہندوستانیت کی چھاپ تھی۔ وہ مل جل کر رہنے کے قائل تھے۔ یاد رہے کہ اکبر کے بعد ہر مغل بادشاہ ہندوستان میں ہی پیدا ہوا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ بابر نے خود ہندوستان پر چڑھائی نہیں کی تھی' بلکہ دولت خان لودھی کی دعوت پر ہندوستان کا رخ کیا تھا اور پانی پت میں 1526ء میں ابراہیم خان لودھی کو شکست دے کر مغل حکومت کی بنیاد رکھی تھی۔ مغل بادشاہوں کی ہندوستان میں' خاص طور پر راجپوتوں کی بہت دوستی رہی' جن کا مغلوں کے ساتھ اتحاد ہوا تھا۔ مغل فوج میں بڑے عہدوں پر راجپوت ہی فائز تھے۔ کچھوا راجپوت آف امبر کو مغل فوج میں بیشتر بڑے عہدے حاصل تھے۔ یہ مغل بادشاہوں کے ساتھ احساس شناخت تھا' جس کے سبب 1857ء میں برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف بغاوت کا بگل بجا تھا' جب بے بس اور لاچار بہادر شاہ ظفر کے پرچم تلے ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی لڑی گئی تھی۔

دنیا کا سب سے دولت مند ملک تھا ہندوستان

ہندوستان پر جب مسلم حکمرانوں کی حکومت تھی' تو دنیا کا سب سے دولت مند ملک تھا ہندوستان۔ 16ویں صدی سے 18ویں صدی کے درمیان فرانس کے ایک سیاح فرانسکوئس برنیئر نے ہندوستان کا رخ کیا تھا۔ اس دور میں ملک کی GDP اس کی گواہی دیتی ہے' جو 27 فیصد تھی۔ مسلم حکمرانوں نے ہندوستان کو متحد کیا تھا۔ ایک پہچان دی تھی' ورنہ مسلم حکمرانوں کی آمد سے قبل ہندوستان لاتعداد حصوں میں بٹا ہوا تھا' جو آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ مگر مسلم حکمرانوں کی آمد کے بعد نقشہ آہستہ آہستہ بدلا' جنہوں نے ہندوستان کو خوبصورت فن تعمیر کے تحفے دیے' تعلیمی نظام دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلم حکمرانوں سے قبل تاریخ کو محفوظ کرنے کا کوئی نظام نہیں تھا۔ 11ویں تا 13ویں صدی کے دوران منگولوں نے دنیا میں لوٹ مار کا دور برپا کیا تھا' جنہوں نے مسلم ممالک سمیت ہر جگہ لوٹ مار' عصمت ریزی اور تباہی برپا کی تھی۔ سب سے پہلے ان منگولوں کے خلاف مسلم حکمرانوں نے لوہا لیا۔ بڑی قربانیاں اور ہندوستان کو منگولوں سے محفوظ رکھا' جس کو نہ نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور نہ جس بھلایا جا سکتا ہے۔ آج یہ ہندوتو کے متوالے سب بھول گئے ہیں کہ انگریزوں نے کیا کیا؟ جنہوں نے ہندوستان کو لوٹ کھسوٹ کر برباد کیا اور ملک کی GDP کو 200 سال کی حکمرانی میں 4 فیصد پر لا دیا تھا۔ یہ انگریزوں کی پالیسیاں تھیں' جن کے سبب 40 لاکھ ہندوستانی موت کی نیند سو گئے۔ ان کی پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی تھی جس نے ملک کی طاقت و اتحاد کو ختم کیا تھا اور ملک کو کمزور کیا تھا۔ اب یہی کام بی جے پی کر رہی ہے۔ مسلمانوں کو اپنی تاریخ پر شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ انہیں اپنی تاریخ پر فخر کرنا چاہیے۔ مغل شہنشاہ اکبر اعظم کے دور میں دنیا کی 25 فیصد جی ڈی پی کا مالک تھا۔ مغلیہ ہندوستان سلطنت کے عظیم بادشاہ اکبر کا دنیا کی ایک چوتھائی دولت پر غلبہ تھا۔ ''فورچون'' کے کرس میتھیوز کا معروف معاشی مورخ انگس میڈیس کا حوالہ دیتے ہوئے کہنا تھا کہ اکبر کے دور میں فی کس آمدنی کا موازنہ انگلینڈ کی ملکہ الزبتھ کے زمانے سے کیا جا سکتا ہے' تاہم مغل حکمرانوں کا طرز زندگی یوروپی حکمرانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ پرتعیش تھا۔

دنیا کا کل دولت کا چوتھائی حصہ 26 فیصد GDP ہندوستان کے ہاتھوں میں تھا

سونے کی چڑیا

ہندوستان کو اسی دور میں سونے کی چڑیا کہا گیا۔ فرانکوس برنیئر، جو کہ فرانس کے مشہور

تاشقند، بخارا و سمرقند سے لے کر مدراس اور کالی کٹ تک عظیم ترین ہندوستان اورنگ زیب نے بنایا جو کبھی نہیں بنے گا

رعنا صفوی کا چشم کشا مضمون

سیاح گزرے ہیں' وہ جب اورنگ زیب کے دور میں آئے' تو انہوں نے کہا تھا کہ ہندوستان میں پوری دنیا سے سونا آرہا تھا۔ یہ تجارت کی دین تھا' جس کو فروغ دینے میں شیر شاہ سوری کے جی ٹی روڈ نے سب سے اہم کردار ادا کیا تھا۔ ندیوں میں کشتیوں سے تجارت کی گئی۔ سمندری راستوں کو استعمال کیا گیا۔ مغلوں نے ملک کے اندر متعدد ٹیکس اور لگان کو معاف کیا تھا۔ ٹیکس کے نظام کو منظم کیا تھا۔ ہندوستان سے ہینڈی کرافٹ کا سامان ایکسپورٹ ہوتا تھا' جن میں سوتی کپڑے' گرم مسالے اور نمک کے ساتھ سلک بھی شامل تھا۔ اس وقت تجارت ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھی۔ بقول فرانسیسی سیاح ملک کی بیشتر دولت ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھی۔ یہ تجارت ہی تھی' جس کے سبب مغلوں نے انگریزوں کو تجارتی رعایت دی اور پھر انہوں نے مغلوں کے زوال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوستان پر قبضہ کیا۔ ہندوستان کو لوٹا انگریزوں نے' مغلوں نے نہیں۔ 1780ء میں ایڈمنڈ برک نے لکھا تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان کی دولت کو چوس رہی ہے۔

اب اگر ہم انگریزوں سے قبل اور بعد ملک کی اقتصادی حالت پر نظر ڈالیں گے' تو ایک ایسی تصویر سامنے آتی ہے' جو سب کو حیران کر دے گی:

کیمبرج کے تاریخ داں انگوز میڈسن نے اپنی کتاب میں لکھا کہ ''1000ء میں ہندوستان سب سے بڑی اقتصادی طاقت تھا' اس وقت GDP 28.9 فیصد تھی' مگر اس کے بعد جب مغلوں نے ہندوستان پر حکمرانی کی' تو ملک نے 18ویں صدی میں اقتصادی دوڑ میں چین کو پچھاڑ دیا۔ اب اندازہ لگایئے کہ 1952ء میں ہندوستان کی GDP 3.8 فیصد تھی اور 2016ء میں 7.2 فیصد۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوہ نور ہیرا ملکہ کے تاج میں جڑا گیا' تو ہندوستان دنیا فی کس آمدنی کی بنیاد پر سب سے غریب ملک تھا۔ اس بات کا انکشاف سابق وزیر اعظم ڈاکٹر من موہن سنگھ نے کیا تھا۔ ایک بات واضح ہے کہ مغلوں کی آمد یا حکمرانی نے ہندوستان کو کنگال نہیں کیا تھا' بلکہ مالا مال کیا تھا۔ ان کے فن تعمیر نے ہندوستان کو سیاحت کے میدان میں بھی مالا مال کیا ہے۔ مغلوں کے تعمیر کردہ قلعے، محل، مساجد، مقابر اور تاج محل اس میں شامل ہیں۔ اب آپ سوچیے کہ صرف تاج محل سے سالانہ 21 کروڑ روپے کی آمدنی ہے۔ اس طرح قطب مینار ہر سال 10 کروڑ روپے کی آمدنی دے رہا ہے۔ لال قلعہ اور ہمایوں کا مقبرہ بھی کسی سے کم نہیں ہیں۔ مغلوں کا قیمتی سامان انگریز لوٹ کر برطانیہ لے گئے' جن میں پینٹنگز، زیورات اور دستکاری کا سامان شامل ہے۔ اس دور میں صرف مغلوں نے ہی تعمیراتی جوہر نہیں دکھائے تھے' بلکہ ہندو منصب داروں نے بھی دھرم شالائیں اور مندر تعمیر کیے تھے۔

مغلوں نے ہندوستان کو لوٹا نہیں بلکہ مالا مال کیا

سنہرا دور

اورنگ زیب کے دور میں نہ صرف مندر ٹوٹے' بلکہ مساجد بھی گرائی گئی تھیں۔ اگر اورنگ زیب نے وارانسی کے وشوناتھ مندر کو منہدم کرنے کا حکم دیا تھا' تو اس نے گولکنڈہ مندر کی جامع مسجد کو بھی گروا دیا تھا' کیونکہ مسجد کی تعمیر محصولات کو حکومت سے پوشیدہ رکھنے کیلئے کی گئی تھی۔ اورنگ زیب نے ٹیکس نظام شروع کیا تھا' جو غیر مسلم فوج کے ساتھ نہیں لڑتے تھے' انہیں جزیہ ادا کرنا ہوتا تھا۔ مسلمانوں کو بھی اس صورت میں ٹیکس دینا ہوتا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ 1678ء میں راجپوتوں نے بغاوت کی تھی۔ اس کے بعد مراٹھا کا گولکنڈہ کے ساتھ اتحاد تھا' جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب نے یہ قدم اٹھا کر سب کو ایک صف میں لا کھڑا کیا تھا۔ حیران کن بات یہ ہے کہ اورنگ زیب کے دربار میں ماضی کے مغل بادشاہوں سے کہیں زیادہ غیر مسلم بیورو کریٹس تھے۔ 1678ء سے 1707ء کے دوران تو بیورو کریسی میں ہندو مسلمان کا تناسب تقریباً برابر تھا' یعنی 40-50 فیصد۔

(باقی صفحہ 29 پر)

مودی کا ہندوستان
اورنگ زیب سے خوفزدہ کیوں؟

امریکی مؤرخ ڈاکٹر آندرے ٹرسچکی کا سچ، جو مخالفین کے گلے نہیں اتر رہا

ڈاکٹر آندرے ٹرسچکی کی کتاب کا سرورق

اورنگ زیب عالمگیر کی شخصیت تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ موضوع بحث رہی ہے۔اورنگ زیب کی پہچان مغل دور کے سب سے سخت گیر اور مذہبی بادشاہ کے طور پر ہوتی ہے،جو ہندوؤں کا دشمن تھا،جس نے مندروں کو توڑا تھا،جس کے دربار میں انصاف نہیں تھا،جس نے اپنے باپ کو بھی نہیں بخشا تھا۔وہ ہر دور میں نقادوں کے نشانے پر رہا۔تاریخ دانوں نے اورنگ زیب کی صحیح تصویر پیش کی یا پھر اس کی شخصیت کو توڑ مروڑ کر پیش کیا۔دنیا بہرحال اورنگ زیب کو عام طور پر خراب لفظوں میں یاد کرنے کی عادی ہوگئی ہے۔اورنگ زیب کے حوالے سے بھی لوگ اپنی اپنی رائے پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اردو میں تاریخ کو پڑھنے والوں کی اکثریت اسے ایک پرہیزگار اور متقی بادشاہ کے طور پر جانتی ہے، تو انگریزی میں پڑھنے والے اس کو ایک ظالم بادشاہ کے طور پر یاد کرتے ہیں،مگر ایسا نہیں کہ سب یہی سوچ رہے ہیں،جو پڑھ رہے ہیں، اس پر یقین کررہے ہیں۔کچھ ایسے ہیں، جو تاریخ کے اصل صفحات کو تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔تاریخ کی گہرائیوں کو کھنگالنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔وہ تاریخ کی تہہ سے کچھ ایسا تلاش کرنے کے خواہاں ہیں،جو دنیا کو کسی نظریے کے بارے میں ایک نئی تصویر دکھائے۔ایسا ہی ایک نام ہے آندرے ٹرچکی نیو جرسی میں جنوب ایشیائی تاریخ کی اسسٹنٹ پروفیسر ہیں، جو مغلیہ تاریخ کو ایک نئے سرے سے مطالعہ کرنے کے علاوہ اورنگ زیب کی ایک سوانح حیات کے ساتھ آگے آئی ہیں،جس میں اسے عام برطانوی مؤرخوں کے برعکس ایک جدا انداز سے دکھایا گیا ہے۔ پینگوئن رینڈم ہاؤس کی جانب سے شائع ''اورنگ زیب، دی مین اینڈ دی متھ'' کتاب میں متنازع مغل بادشاہ کے تعلق سے ایک نیا نظریہ قائم ہوسکتا ہے۔ایک ایسی کتاب، جس نے ان کو مقبولیت بخشنے کے بجائے غیر مقبول بنا دیا۔دوست کم اور دشمن زیادہ بنا دیئے۔سراہنا کے بجائے نفرت کا حقدار بنا دیا۔خاص طور پر ہندوستان میں اورنگ زیب کے بارے میں نئے حقائق ناقابل ہضم ہو گئے ہیں، حالانکہ یہ کتاب پڑھی اس لئے جانی چاہئے، تاکہ لوگ اس مغل بادشاہ کے بارے میں اور پھر ہندوستان میں مغل مسلمان بادشاہوں کے بارے میں استدلالی انداز میں سوچ سکیں۔اورنگ زیب عالمگیر بلاشبہ اپنے عہد کا انتہائی طاقتور اور امیر حکمراں رہا ہے۔ اس کے پچاس سالہ دور حکومت (1658ء تا 1707ء) نے جدید ہندوستان کے سیاسی ماحول پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں اور آج بھی ہندوستان اور پاکستان میں اس کی وراثت چاہے وہ حقیقی ہو یا تصوراتی، اپنا گہرا تاثر جمانے میں کامیاب رہی ہے۔

ہندو دشمن نہیں تھے اورنگ زیب

آندرے ٹرچکی اس بات کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں کہ اورنگ زیب میں کوئی تعصب تھا۔انہوں نے مغل شہنشاہ اورنگ زیب کے تعلق سے نیا نظریہ قائم کرتے ہوئے یہ دلیل ماننے سے انکار کردیا ہے کہ ہندو دشمنی کی وجہ سے اورنگ زیب نے ہندو مندروں کو مسمار کیا۔اس دلیل کے پس پشت کہ اورنگ زیب نے ہندو دشمنی کی وجہ سے مندروں کو منہدم کیا، انگریزوں کی پھوٹ ڈالو اور قبضہ کرلو کی پالیسی کارفرما ہے۔اگر اورنگ زیب کا دور حکومت 20 برس قبل ہوتا، تو اورنگ زیب کے متعلق جدید مؤرخین کا فیصلہ یا نظریہ مختلف ہوتا۔ بیشتر جدید مؤرخین اور لوگوں کا نظریہ ہے کہ اورنگ زیب نے ہندوؤں کے مخصوص مندروں کو مسمار کرنے کے احکامات جاری کئے تھے، جس سے ہندوؤں میں اس بادشاہ کے تعلق سے نفرت پھیلی ہوئی ہے۔ بیشتر مؤرخوں نے اورنگ زیب کو ایک مخصوص طبقہ کیلئے متعصب فرمانروا قرار دیا ہے، لیکن صحیح تاریخ سے اس بات کی نفی ہوتی ہے کہ اورنگ زیب نے ہندوؤں کے منادر صرف طبقاتی تعصب یا تنگ نظری سے ڈھائے ہیں۔اورنگ زیب نے 50 سال تک 15 کروڑ افراد پر حکومت کی۔ان کے دور میں مغل سلطنت اتنی وسیع ہوئی کہ پہلی بار انہوں نے تقریباً پورے برصغیر کو اپنی سلطنت کا حصہ بنالیا۔اورنگ زیب کو ایک کچی قبر میں مہاراشٹر کے خلدآباد میں دفن کیا گیا، جبکہ اس کے برعکس ہمایوں کیلئے دہلی میں لال پتھر کا مقبرہ بنوایا گیا اور شاہ جہاں کو عالیشان تاج محل میں دفنایا گیا۔ان کے مطابق یہ ایک غلط فہمی ہے کہ اورنگ زیب نے ہزاروں مندر توڑے۔ ان کے حکم سے براہ راست چند مندر ہی توڑے گئے۔ان کے دور حکومت میں ایسا کچھ نہیں ہوا، جسے ہندوؤں کا قتل عام کہا جاسکے۔دراصل اورنگ زیب نے اپنی حکومت میں بہت سے اہم عہدوں پر ہندوؤں کو تعینات کیا۔ایک جدا زاویے سے بات آندرے ٹرچکی نے مغل شہنشاہ کے عام تاثر سے بالکل الگ ہوکر بابر کے اس سب سے زیادہ نفرت کے شکار جانشین کے متعلق ایک الگ زاویہ سے بات کی ۔ اورنگ زیب کی شخصیت کو کھوجنے کیلئے آندرے ٹرچکی نے اس میں پائی جانے والی ظالمانہ سوچ کے ساتھ اس کے ان مہربان اوصاف کا بھی تذکرہ کیا ہے جو اس نے اپنی سیاسی ضرورتوں کے مطابق اپنائے۔جب آندرے ٹرچکی سے سوال کیا گیا کہ کیا اورنگ زیب عالمگیر مذہبی طور پر ایک متعصب شخص تھا اور آپ نے کس طرح اپنی کتاب میں اس کی مذہبی پالیسیوں کا تجزیہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب دیتے ہوئے آندرے ٹرچکی نے کہا کہ جدید تعریف کے مطابق اورنگ زیب نے مذہبی تعصب کے حوالے سے کچھ کردار ادا کیا ہے، لیکن اس نے کچھ دوسرے انداز سے بھی اپنا کردار بخوبی نبھایا ہے، جس کو ہم اجاگر کریں گے، جس میں کہیں ہمیں وہ روادار بھی دکھائی دیتا ہے۔ہمیں اس پر حیرانی نہیں ہونی چاہئے کہ آج کل کے جدید متعصبانہ طریقے اس مغل بادشاہ کے بارے میں ہمیں تاریخی آگاہی فراہم کرنے سے قاصر رہے ہیں۔کتاب میں ہم نے بحث کی ہے کہ ہم اورنگ زیب کی دنیا کو نزدیک سے سمجھنے کے قابل ہوجاتے ہیں اگر ہم اس میں موجود تکمن کے مطابق اس کے اعمال اور پالیسیوں کا تجزیہ کریں، جن سے اس نے پہلے سے سکھائی گئی اقتدار کی بنیاد رکھی، جس میں پرہیزگاری، انصاف اور مغل بادشاہت شامل ہیں، جن کی اورنگ زیب میں بظاہر موجود اقتدار کی ہوس کے دوران کمی رہی۔ آندرے ٹرچکی کے مطابق اورنگ زیب نے اگر کچھ مندروں کو منہدم بھی کرایا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے بیشمار مندروں کا تحفظ بھی کیا، جو کہ تباہ کئے جاسکتے تھے۔ اس نے دوران اقتدار کسی بھی دوسرے مغل بادشاہ کے مقابلے میں جن میں اکبر بھی شامل ہے، انتظامی عہدوں پر بڑی تعداد میں ہندوؤں کو تعینات کیا، بلکہ اورنگ زیب تو اپنے آخری سانس تک ہندو طبیبوں اور ماہر فلکیات سے کئی معاملوں میں کھل کر رائے بھی لیا کرتا تھا۔

ڈاکٹر آندرے ٹرسچکی

(باقی اگلے صفحہ پر)

اورنگ زیب ہندوستان کو دنیا کی اقتصادی سپر پاور بنانا چاہتا تھا

صفحہ 3 کا بقیہ

اس نے کچھ مندر بھی گرائے، جزیہ (ٹیکس) کو بھی بحال کیا اور مرہٹوں کو مرکزی اور جنوبی ہندوستان میں کافی نقصان بھی پہنچایا۔ کسی بھی مؤرخ کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اورنگ زیب عالمگیر کے تمام پہلوؤں سے واقفیت رکھے' بجائے اس کے کہ وہ اس الجھے ہوئے بادشاہ کے چند مخصوص پہلوؤں کو ہی اجاگر کرتا رہے۔

منظم طریقہ سے بدنامی

آندرے ٹرشکی کے مطابق مغربی تاریخ نویسی نے اورنگ زیب کی امیج کو نقصان پہنچایا؟ برطانوی مؤرخین ہندوستانی مسلمان بادشاہوں کی ناپسندیدہ عکاسی کرتے رہے ہیں۔ اورنگ زیب کو تو انہوں نے خصوصاً ایک خوفناک حکمراں کے طور پر پیش کیا ہے' تاکہ برطانوی نوآبادیاتی نظام کو ان بادشاہوں کے دور کے مقابلے میں زیادہ روشن ثابت کیا جاسکے۔ اس بارے میں بہتر مثال ایلیٹ اور ڈاؤسن جیسے مؤرخین کی کتاب The History of India as Told by Its Own Historians کی ہے' جس میں پہلے سے سکھائے گئے اسلامی متن کے کچھ ٹکڑوں کو منتخب کیا جاتا ہے' تاکہ ہندوستانی مسلم بادشاہوں کے ظلم وستم کو اجاگر کیا جاسکے۔ ایلیٹ اور ڈاؤسن دونوں نے اپنے اپنے دیباچوں میں اس حوالے سے خاصا کھل کر بیان کیا۔ یہ دونوں اپنے مقاصد کے حوالے سے کوئی ابہام نہیں رکھتے تھے۔ جلد کے پہلے دیباچہ میں ایلیٹ نے برطانوی استعماری حکومت کی برتری ان مسلم بادشاہوں پر جتائی ہے' جنہوں نے اپنے دور میں مظالم ڈھائے اور کئی دوسری برائیوں میں ملوث رہے۔ ڈاؤسن کے دیباچہ میں جو کہ دوسری جلد میں ہے' اس میں کہا گیا کہ قارئین مسلم بادشاہوں کے ظلم وستم کے حوالے سے ترجمے کئے گئے ٹکڑے ''مسلم مطلق العنانیت'' میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ آج بھی کئی لوگ استعماریت کے دور کے اس مسائل زدہ پروپیگنڈے کا حوالہ دیتے ہیں' جو کہ برطانوی اور نوآبادیاتی ایجنڈے کے حق میں لکھا گیا۔
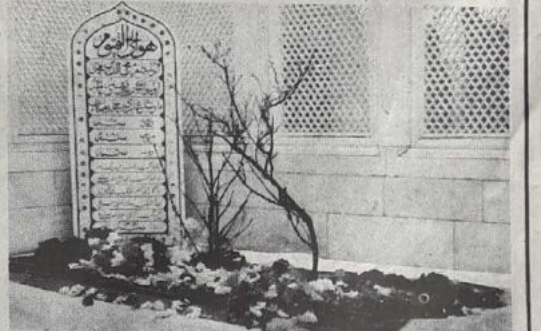
آج بھی اورنگ زیب کی امیج سیاسی فوائد کے حصول کیلئے استعمال کی جاتی ہے۔ اس پر آندرے ٹرشکی کی دلیل ہے کہ'' برٹش استعمار کو آج بھی ہندوستان میں کچھ حامی اور ہم خیال مل جاتے ہیں' لیکن ہندو قوم پرستوں نے جس طرح مغلیہ تاریخ کے استعماری دور کی عکاسی کی ہے' بشمول اورنگ زیب عالمگیر کے، اس طرح وہ مسلم مخالف جذبات کو ہندوستان میں بڑھاوا دیتے ہیں۔ ہندو قومیت کو دیکھتے ہوئے اس طرح کے خیالات کو اپنانا قطعی حیران کن امر نہیں ہے' لیکن یہ سب ہندوستان کی بنیاد رکھنے والوں کے اس نصب العین کیلئے بہت ہی نقصان دہ ہے' جس کے تحت ہندوستان کو ایک سیکولر ریاست کے طور پر جانا جاتا ہے' جس میں ہر مذہب کے افراد بستے ہیں۔ اکبر اور اورنگ زیب کے درمیان موازنے میں اکبر کو ایک اچھا مغل حکمراں اور اورنگ زیب کو ایک خراب حکمراں کے طور پر جانا جاتا ہے' جس پر آندرے ٹرشکی نے کہا کہ اکبر اور اورنگ زیب کے درمیان تقسیم اپنا وجود رکھتی ہے۔ میرے خیال میں کیونکہ بہت سے لوگ جب ہندو مسلم تاریخ کا تجزیہ کرتے ہیں' تو وہ مسلم بادشاہوں کو اپنی بنائی گئی پرہیزگاری کی کسوٹی پر

> **شاہجہاں ہندوستان کو پانچ حصوں میں تقسیم کرکے اپنے بیٹوں میں بانٹنا چاہتے تھے' مگر اورنگ زیب کو ہندوستان کی یہ تقسیم قبول نہیں تھی۔ اس لئے اس نے شاہجہاں کی تجویز کو ٹھکرادیا۔**

تولتے ہیں۔ یہاں پر آئیڈیا یہ ہے کہ اکبر ایک شاندار ہندوستانی شہنشاہ اس لئے تھا' کیونکہ وہ کٹر مسلمان نہیں تھا' جبکہ اورنگ زیب کی پرہیزگاری اور تقویٰ نے اس کی ہندوستان پر حکومت کرنے کی قابلیت کو معذور کیا تھا۔ میرے خیال میں یہ ماضی کے بارے میں سوچنے کا ایک غلط انداز ہے۔

اگر داراشکوہ بادشاہ بن جاتا!

ہندوستان کی تاریخ میں ایک بڑا سوال یہ ہے کہ اگر سخت گیر اورنگ زیب کے بجائے معتدل مزاج داراشکوہ، چھٹا مغل بادشاہ ہوتا' تو کیا ہوتا؟ درحقیقت

خلد آباد ضلع اورنگ آباد (مہاراشٹر) میں اورنگ زیب عالمگیر کی آخری آرام گاہ

داراشکوہ مغل سلطنت کو چلانے یا جیتنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ ہندوستان کے تاج کو حاصل کرنے کی جدوجہد میں بیمار بادشاہ کی حمایت کے باوجود داراشکوہ اورنگ زیب کی سیاسی سمجھ اور تیزی کا مقابلہ نہیں کر پایا۔ 1658ء میں اورنگ زیب اور ان کے چھوٹے بھائی مراد نے آگرہ کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ اس وقت ان کے والد شاہجہاں قلعہ میں ہی موجود تھے۔ انہوں نے قلعہ کے پانی کی فراہمی روک دی۔ کچھ ہی دنوں میں شاہجہاں نے قلعہ کا دروازہ کھول کر اپنے خزانے، ہتھیاروں اور اپنے آپ کو اپنے دونوں بیٹوں کے حوالے کردیا۔ اپنی بیٹی کو ثالث بناتے ہوئے شاہجہاں نے اپنی سلطنت کو پانچ حصوں میں تقسیم کرنے کی آخری پیشکش کی' جسے چار بھائیوں اور اورنگ زیب کے سب سے بڑے بیٹے محمد سلطان کے درمیان تقسیم کیا جاسکے لیکن اورنگ زیب نے اسے قبول نہیں کیا۔ جب 1659ء میں داراشکوہ کو اس کے ایک قابل اعتماد ساتھی ملک جیون نے پکڑ کر دلی بھجوایا' تو اورنگ زیب نے انہیں اور ان کے 14 سالہ بیٹے کو ستمبر کی اس بھری گرمی میں چیتھڑوں میں لپٹا کر خارش کی بیماری سے دوچار ہاتھی پر بٹھا کر دلی کی سڑکوں پر پھرایا۔ ان کے پیچھے ننگی تلوار لئے ایک سپاہی چل رہا تھا، تاکہ اگر وہ بھاگنے کی کوشش کریں' تو ان کا سر قلم کردیا جائے۔ اس وقت ہندوستان کا سفر کرنے والے اطالوی مؤرخ نکولائی مانوچی نے اپنی کتاب 'اسٹوری ادو موگوڑ' میں لکھا ہے'' داراشکوہ کی موت کے دن اورنگ زیب نے ان سے پوچھا تھا کہ اگر ان کے کردار تبدیل ہوجائیں' تو وہ ان کے ساتھ کیا کریں گے؟ دارا نے جواب دیا تھا کہ وہ اورنگ زیب کے جسم کو چار حصوں میں کٹوا کر دلی کے چار اہم دروازوں پر لٹکوادیں گے۔'' اورنگ زیب نے ہمایوں کی قبر کے ساتھ اپنے بھائی کو دفن کرایا' لیکن بعد میں اسی اورنگ زیب نے اپنی بیٹی زیب النساء کی شادی داراشکوہ کے بیٹے سفر شکوہ سے کی تھی۔ اورنگ زیب نے اپنے باپ شاہ جہاں کو ان کی زندگی کے آخری ساڑھے سات سالوں تک آگرہ کے قلعہ میں قید رکھا' جہاں اکثر ان کا ساتھ ان کی بڑی بیٹی جہاں آراء دیا کرتی تھی۔ اس کا سب سے بڑا نقصان اورنگ زیب کو اس وقت ہوا' جب مکہ کے شریف نے اورنگ زیب کو ہندوستان کا باضابطہ حکمران ماننے سے انکار کردیا اور کئی سالوں تک ان کے تحائف لینے سے انکار کرتے رہے۔

اورنگ زیب داراشکوہ کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا

آندرے ٹرشکی لکھتی ہیں کہ اورنگ زیب 3 نومبر 1618ء کو داہود میں اپنے دادا جہانگیر کے دور میں پیدا ہوئے۔ وہ شاہجہاں کے تیسرے بیٹے تھے۔ شاہجہاں کے چار بیٹے تھے اور ان تمام کی ماں ممتاز محل تھیں۔ اسلامی علوم کے علاوہ اورنگ زیب نے ترکی ادب کی تعلیم اور خطاطی میں مہارت حاصل کی۔ دوسرے مغل بادشاہوں کی طرح اورنگ زیب بھی بچپن سے ہی ہندی میں فراٹے کے ساتھ گفتگو کرتے تھے۔ کم عمری سے ہی شاہجہاں کے چار بیٹوں میں مغل تخت حاصل کرنے کا مقابلہ تھا۔ مغل وسط ایشیا کے اسی اصول پر یقین رکھتے تھے' جس میں تمام بھائیوں کا حکومت پر برابر کا حق تھا۔ شاہجہاں اپنے سب سے بڑے بیٹے داراشکوہ کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا، لیکن اورنگ زیب کا خیال تھا کہ وہ مغل سلطنت کا سب سے زیادہ قابل اور وارث ہے۔ آندرے ٹرشکی نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ داراشکوہ کی شادی کے بعد

> **اگر دادارشکوہ کامیاب ہوجاتا' تو وہ بھی اورنگ زیب کی گردن اڑادیتا' مگر اس کے قریبی ساتھی بھی جانتے تھے کہ اس میں حکومت چلانے کی صلاحیت نہیں ہے اور مغل سلطنت کا شیرازہ بہت پہلے بکھر گیا ہوتا۔**

شاہجہاں نے دو ہاتھی سدھاکر اور صورت سندر کے درمیان ایک مقابلہ کرایا۔ یہ مغلوں کیلئے تفریح کا پسندیدہ ذریعہ تھا۔ اچانک سدھاکر گھوڑے پر سوار اورنگ زیب کی طرف غصہ سے بڑھا۔ اورنگ زیب نے پھرتی سے سدھاکر کی پیشانی پر نیزے سے وار کیا' جس کے نتیجے میں وہ مزید بپھر گیا۔ اس نے گھوڑے کو اتنے زور سے مارا کہ اورنگ زیب زمین پر آگرا۔ عینی شاہدین میں ان کے بھائی شجاع اور راجہ جے سنگھ شامل تھے' جنہوں نے اورنگ زیب کو بچانے کی کوشش کی' لیکن بالآخر دوسرے ہاتھی شیام سندر نے سدھاکر کی توجہ وہاں سے اپنی جانب کھینچ لی۔ شاہجہاں کے درباری شاعر ابو طالب نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ ایک دوسرے مؤرخ عقیل خاں رضی نے اپنی کتاب 'واقعات عالمگیری' میں لکھا ہے کہ اس پورے مقابلے کے دوران دارا شکوہ پیچھے کھڑے رہے۔ انہوں نے اورنگ زیب کو بچانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ شاہجہاں کے درباری مؤرخ نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور اس کا موازنہ 1610ء میں ہونے والے اس واقعہ سے کیا' جب شاہجہاں نے اپنے والد جہانگیر کے سامنے ایک خوفناک شیر کو شکست دی تھی۔ آندرے ٹرشکی لکھتی ہیں کہ اورنگ زیب 1679ء میں دلی کو چھوڑ کر جنوبی ہند منتقل ہوگئے اور پھر کبھی شمالی ہند واپس نہیں آسکے۔

ان کے ساتھ ہزاروں لوگوں کا قافلہ بھی جنوب کیلئے روانہ ہوا' جس میں شہزادہ اکبر کو چھوڑ کر ان کے تمام بیٹے اور ان کا پورا حرم شامل تھا۔ ان کی غیر موجودگی میں دلی ایک آسیب زدہ شہر نظر آنے لگا۔ لال قلعہ کے کمروں میں اتنی دھول چھا گئی کہ غیر ملکی مہمانوں کو اسے دکھانے سے بچایا جانے لگا۔ آندرے ٹرشکی لکھتی ہیں کہ اورنگ زیب نے اپنی کتاب 'واقعات عالمگیری' میں لکھا ہے کہ جنوب میں انہیں سب سے زیادہ آم کی کمی محسوس ہوتی تھی۔ بابر سے لے کر تمام مغل بادشاہوں کو آم بہت پسند تھے۔ اورنگ زیب اکثر اپنے حکام سے شمالی ہند کے آم بھیجنے کی فرمائش کرتے۔ انہوں نے کچھ آموں کو بھی سدھارس اور رسنا بلاس جیسے ہندی نام بھی رکھے۔ 1700ء میں اپنے بیٹے شہزادہ اعظم کو لکھے ایک خط میں اورنگ زیب نے انہیں ان کے بچپن کی یاد دلائی' جب انہوں نے نگاڑے بجنے کی نقل کرتے ہوئے اورنگ زیب کیلئے ایک ہندی خطاب کا استعمال کیا تھا۔ اپنے آخری دنوں میں اورنگ زیب اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کی والدہ اودے پوری کے ساتھ رہے' جو کہ ایک گلوکارہ تھی۔ بستر مرگ سے کام بخش کو ایک خط میں اورنگ زیب نے لکھا کہ ان کی بیماری میں اودے پوری ان کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ ان کی موت میں بھی ان کے ساتھ ہوں گی۔ اورنگ زیب کی موت کے چند مہینے بعد ہی 1707ء کی گرمیوں میں اودے پوری کی بھی موت ہوگئی۔

> **ہندوستان کی تاریخ میں ایک بڑا سوال یہ ہے کہ اگر سخت گیر اورنگ زیب کے بجائے معتدل مزاج داراشکوہ، چھٹا مغل بادشاہ ہوتا' تو کیا ہوتا؟ درحقیقت داراشکوہ مغل سلطنت کو چلانے یا جیتنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ ہندوستان کے تاج کو حاصل کرنے کی جدوجہد میں بیمار بادشاہ کی حمایت کے باوجود داراشکوہ اورنگ زیب کی سیاسی سمجھ اور تیزی کا مقابلہ نہیں کر پایا۔**

خلفائے راشدین کی روایات پر قائم ایک حکمراں

سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ

تحریر: شمس القمر

سلطان اورنگ زیب ہندوستان کے ضلع گجرات کے شہر داہود میں 15 ذی قعد 1028 ہجری، مطابق 3 نومبر 1618ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کی پرورش و تربیت ایک معزز، باوقار اور خوشحال گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے والد ''سلطان شاہجہاں'' ہندوستان کی مغلیہ ریاست کی عظیم حکمرانوں میں سے تھے، انہوں نے ''تاج محل'' کا مقبرہ تعمیر کروایا، جس کا شمار دنیا کے سات عجوبوں میں کیا جاتا ہے۔ اس کی تعمیر 20 سالوں میں مکمل ہوئی اور اس میں 21 ہزار سے زائد آدمیوں نے کام کیا۔ اپنے آخری دنوں میں اورنگ زیب کے والد نے اپنی ساری محنت اور جدوجہد اپنی اہلیہ کے مقبرے کو بنانے میں صرف کر دی اور اس کی یاد میں وہ برابر غم زدہ رہے، جس کی وجہ سے سلطنت کمزور پڑ گئی اور فتنوں اور بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، جس کی وجہ سے اورنگ زیب اپنے والد سے حکومت چھین لینے پر مجبور ہوئے۔ جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔ انہوں نے اپنے والد کے نام سے ہی حکومت کو چلایا۔ اسلام کے عدل و انصاف اور حق کو قائم کیا۔

اورنگ زیب کے اندر بچپن سے ہی بزرگی اور سعادت و خوش قسمتی کی علامات دکھائی دیتی تھیں۔ وہ بچپن ہی سے دیندار تھے اور عیش و عشرت اختیار کرنے سے دور رہتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک بہادر شہسوار بھی تھے۔ اس حوالے سے ایک قصہ روایت کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ اپنے والد شاہجہاں کے پاس کسی تقریب میں شریک تھے۔ اس تقریب میں ہاتھی کے ساتھ کشتی لڑنے کا ایک میدان تھا۔ اس دوران ایک ہاتھی اورنگ زیب کی طرف بھاگ آیا۔ ان دنوں اورنگ زیب کی عمر 14 سال تھی، جس گھوڑے پر اورنگ زیب سوار تھے، ہاتھی نے اس پر اپنی سونڈ سے حملہ کیا۔ اورنگ زیب زمین پر گرے، ہاتھی ان کی طرف بڑھا، مگر اورنگ زیب اپنی جگہ جمے رہے۔ ادھر لوگ حواس باختگی کے عالم میں اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ وہ اس چھوٹے امیر کی دلیری پر محو حیرت تھے۔ انہوں نے تلوار نکالی اور مسلسل ہاتھی سے لڑتے رہے، یہاں تک کہ محافظوں نے پہنچ کر اس ہاتھی کو بھگا دیا۔

> اورنگ زیب بیحد زبردست انسان تھے۔ انہوں نے موجودہ پاکستان میں بادشاہی مسجد لاہور تعمیر کروائی، جو آج تک مسلمانوں کے دبدبہ و شوکت کی ایک نشانی اور عظیم یادگار ہے۔ آپ نے سمندر میں پرتگالیوں کا قلع قمع کیا۔ آپ کی عادت تھی کہ رمضان میں جَو کی چند روٹیوں سے ہی افطار کیا کرتے تھے اور یہ بھی اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن مجید کو فروخت کر کے اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے۔ مسلمانوں کے بیت المال سے نہ کھاتے۔

آپ کی تربیت اس طرح ہوئی کہ آپ علم اور دین کے ساتھ محبت کرتے تھے۔ آپ نے امام ابوحنیفہؒ کے فقہ کو سیکھا، چنانچہ آپ کی تربیت و پرورش خالص اسلامی خطوط پر ہوئی، جس میں کسی اور چیز کی ادنیٰ سی آمیزش نہیں تھی۔ آپ کے دادا ''جلال الدین اکبرؒ'' نے آخری عمر میں لوگوں کو ''دین جدید'' کو اپنانے پر مجبور کیا، جو ہندو دھرم اور اسلام کا مرکب تھا۔ جلال الدین اکبر نے ہندوؤں اور غیر مسلموں سے جزیہ لینے پر پابندی عائد کر دی اور وہ کام کئے، جو اس سے پہلے کسی مسلمان حکمراں نے نہیں کئے تھے۔ کوئی شخص اس حکمراں کے مقابلے میں کھڑا نہ ہو سکا۔ یہ حالت اسی طرح برقرار رہی، لیکن اللہ کو اپنے نور کی تکمیل منظور تھی، چنانچہ ایک نحیف و نزار آدمی شیخ احمد سرہندیؒ نے اس کام کیلئے کمر کس لی۔ وہ امراء اور عسکری قائدین کو دعوت دینے لگے۔ ان کو اللہ کی یاد دلائی، ان کے دلوں میں دینی غیرت کو زندہ کر کے ان کو جھنجھوڑا۔ جب اکبر کی وفات ہوئی، تو اس کے بعد جہانگیر نے سلطنت کے معاملات سنبھالے، پھر شیخ احمد سرہندیؒ کے فرزند ارجمند شیخ محمد معصومؒ نے ایک بچہ کی تربیت کی اور اس پر اپنی بھرپور توجہ دی، چنانچہ اس بچہ کی تربیت دین کی بنیاد پر ہوئی۔ اس نے قرآن کو تجوید کے ساتھ پڑھا، فقہ کو سیکھا، اس میں برتری حاصل کی۔ خوشخطی میں مہارت حاصل کی اور گھوڑ سواری اور جنگ کی تربیت حاصل کی۔ یہ بچہ اورنگ زیب عالمگیر تھا۔ آپ شعر سے محبت کرتے تھے اور خود بھی شاعر تھے۔ خوشخطی سے محبت تھی، اس لئے ایک باکمال خطاط کے طور پر ابھرے۔ عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کو سیکھا۔ اس طرح اورنگ زیب کے اندر بچپن ہی سے بڑے بادشاہوں کی صفات موجود تھیں۔

اورنگ زیب بحیثیت امیر

اورنگ زیب کے دو بھائی تھے۔ ایک بھائی کا نام شجاع اور دوسرے کا مراد بخش تھا۔ شجاع نے بنگال کی، مراد بخش نے گجرات کی اور اورنگ زیب نے ہندوستان کے وسط میں دکن کی امارت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

پھر اورنگ زیب نے ملکی انتظام کا علم حاصل کیا۔ اس میں مہارت حاصل کی اور اس کی گہرائیوں کو جانا، چنانچہ وہ ان چند گنے چنے مسلمان حکمرانوں میں سے ہیں، جنھیں انتظامی صلاحیتوں میں فوقیت اور برتری حاصل تھی۔ اس کے ساتھ انہوں نے اپنے والد کے عہد میں بذات خود افواج کی قیادت کی، بغاوتوں کو کچلا، ملک کو بدامنی سے پاک کیا اور عدل کو پھیلایا۔ ان کے اندر سلاطین کا دبدبہ اور وقار تھا۔ انہی حالات میں آپ کی والدہ ''ممتاز محل'' کی وفات ہوئی اور یہ والد کیلئے شدید صدمہ تھا۔ سلطان شاہجہاں نے ایک ایسا مقبرہ تیار کروایا، جو اس کی زوجہ کی یادگار ہو۔ اس پر مال کثیر خرچ کیا اور لوگوں کو اس کیلئے سخت محنت پر مجبور کیا۔ یوں کاروبار سلطنت سے غفلت برتی گئی، چنانچہ فسادات اور بغاوتیں پھوٹ پڑیں، جبکہ سلطان کا ان دنوں اگر کوئی کام تھا، تو یہ کہ صرف اپنی اہلیہ کی قبر پر نظریں جمائے بیٹھا ہوتا تھا۔ اس نے اہلیہ کی قبر کے بالمقابل اپنے لئے بھی کالے رنگ کی ایک اور قبر بنانے کا حکم دیا۔ اورنگ زیب کے بڑے بھائی نے اس وقت یہ کیا کہ اپنے والد کی حکومت کو چھینا، جس کا جھکاؤ دنیا کی طرف تھا اور جو ہندوستان کو اپنے دادا ''جلال الدین اکبرؒ'' کے زمانے والے حالات کی طرف لوٹانا چاہتا تھا۔ اس کے دوسرے بھائی نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ متقی اور پرہیزگار اورنگ زیب نے اس کی مخالفت کی اور وہ اس قابل ہوا کہ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے اور بھائیوں کی طرف سے کھڑے کئے گئے انقلابات کی سرکوبی کرے، پھر اورنگ زیب نے اعلان کیا کہ وہ ملک کا حکمراں ہے۔ اس وقت آپ کی عمر 40 سال تھی۔ آپ نے عدل اور حق کے دور کا آغاز کیا۔ اب مسلمانوں کو موقع ملا کہ وہ حضرت ابوبکر و عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی صفات و کردار کو اورنگ زیب عالمگیر کی شخصیت کی آئینہ میں دیکھ سکیں۔

اورنگ زیب بحیثیت حکمراں

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اورنگزیب مسند اقتدار سنبھالتے ہی عبادت اور گوشہ نشینی اور آرام و راحت کی طرف مائل ہو گئے، بالخصوص جبکہ وہ ایک دینی ذہن کے آدمی تھے۔ ایسا نہیں تھا۔ ہمارے آباؤ اجداد کے نزدیک دینداری کا تصور یہ نہیں تھا۔ دینداری تو یہ ہے کہ اللہ کا بول بالا ہو اور کفر کا بول دب جائے اور اس کیلئے جہاد کیا جائے۔ اورنگزیب نے بھی اسی بنیاد پر حکمرانی کی، جس میں وہ عدل کرتے تھے اور انتہائی ہوشیاری سے ہر قدم اٹھاتے تھے۔ اورنگ زیب کبھی بھی آرام و راحت کی طرف نہیں جھکے۔ انھوں نے تو پوری زندگی سامان جنگ سے لیس ہو کر گزاری اور 52 سال تک جہاد میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ برصغیر ہند، ہمالیہ کی پہاڑیوں سے لے کر سمندر تک اور بنگلہ دیش سے لے کر ایران کی حدود تک مکمل طور پر ان کے سامنے سرنگوں ہوئے۔ انھوں نے ہر طرح کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیا، سوائے یہ کہ حکومت کا نام اپنے والد کے نام پر رکھا۔ اورنگ زیب کی فوجی کوششوں کی بدولت ہندوستان کی مغل اسلامی شہنشاہیت آپ کے عہد سلطنت (1658ء-1707ء) میں بہت زیادہ پھیل گئی حتیٰ کہ ہندوستان کے تمام صوبے اس کے اقتدار کے نیچے آ گئے۔ اس طرح اورنگ زیب برصغیر ہند کو مغلیہ اسلامی ولایہ میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہوئے، جس کے مشرق کو مغرب اور شمال کو جنوب کے ساتھ ایک ہی قیادت تلے جوڑا گیا تھا۔ آپ کے عہد سلطنت میں مسلمانوں نے 30 سے زائد معرکے لڑے، جن میں سے 11 میں خود سپہ سالار رہے۔ اورنگ زیب نے 80 ٹیکسوں کو منسوخ کر دیا اور غیر مسلموں پر دوبارہ جزیہ کا اجراء کیا، جسے آپ کے آباؤ اجداد نے منسوخ کر دیا تھا۔

(باقی صفحہ 28 پر)

اورنگ زیب

نہ ہیرو نہ ویلن بلکہ ایک

تحریر: خالد سیف اللہ رحمانی

برصغیر پر جن مسلم خاندانوں نے حکومت کی ہے، ان میں غالباً سب سے طویل عرصہ مغلوں کے حصہ میں آیا ہے، جو 1526ء سے لے کر 1857ء یعنی تقریباً ساڑھے تین سو سال کے عرصہ پر محیط ہے۔ اس دوران اگرچہ ہمیشہ پورے خطہ پر مغلوں کو اقتدار حاصل نہیں رہا اور بہت سے علاقے ان کے قبضہ میں آتے اور جاتے رہے، لیکن تقریباً اس پورے عرصہ میں وہ قوت اقتدار کی علامت بنے رہے۔ اس خاندان کے چھٹے فرمانروا اورنگ زیب عالمگیر تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر 1618ء میں ممتاز محل کے بطن سے پیدا ہوئے اور 1707ء میں وفات پائی، گویا پورے 90 سال کی طویل عمر پائی۔

بیجاپور کے پہلے سلطان نے ایک مراٹھے خاندان کو ''جاولی'' کا علاقہ عطا کیا، جس نے ایک مضبوط ریاست بنائی اور یہ بتدریج کوکن کے پورے علاقہ پر قابض ہوگیا۔ اس خاندان کے راجہ کا خاندانی لقب چندرراؤ تھا۔ شیواجی کا احساس تھا کہ جب تک چندرراؤ کا قتل نہ کیا جائے اور اس کی سلطنت پر قبضہ نہ ہوجائے، شیواجی جس وسیع سلطنت کا منصوبہ رکھتے ہیں' وہ شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا، اس لئے اس نے دھوکہ دے کر اس مرہٹہ راجہ کو قتل کیا، اس کے بھائی کو زخمی کیا اور اس کی سلطنت پر قابض ہوگئے۔ غرض کہ اورنگ زیب اور شیواجی کی جنگ کوئی مذہبی جنگ نہیں تھی، بلکہ ایک سیاسی جنگ تھی، جو حکمرانوں کے درمیان ہمیشہ ہوتی رہی ہے۔

پھر ان کی خوش قسمتی ہے کہ 1657ء سے لے کر 1707ء تک یعنی تقریباً پچاس سال انہوں نے حکومت کی اور ان کے عہد میں ہندوستان کا رقبہ جتنا وسیع ہوا، اتنا وسیع نہ اس سے پہلے ہوا اور نہ اس کے بعد، یعنی موجودہ افغانستان سے لے کر بنگلہ دیش کی آخری سرحدوں اور لداخ وتبت سے لے کر جنوب میں کیرالہ تک وسیع وعریض سلطنت کا قیام اسی بادشاہ کی دین ہے۔ ان کی اخلاقی خوبیوں پر تمام مورخین یہاں تک کہ ان کے مخالفین بھی متفق ہیں کہ یہ تخت شاہی پر بیٹھنے والا ایک درویش تھا، جو قرآن مجید کی کتابت اور ٹوپیوں کی سلائی سے اپنی ضروریات پوری کرتا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی موت کے وقت وصیت کی کہ ان کی اسی آمدنی سے تجہیز وتکفین کی جائے۔ ایسے زاہد، درویش صفت، قناعت پسند اور عیش و عشرت سے دور بادشاہ کی نہ صرف ہندوستان' بلکہ تاریخ عالم میں کم مثالیں مل پائیں گی۔ یہ تو ان کی ذاتی زندگی کے اوصاف ہیں۔ اس کے علاوہ اورنگ زیب نے اپنے عہد میں غیر معمولی اصلاحات بھی کیں۔ ترقیاتی کام کئے، نامنصفانہ احکام کو ختم کیا اور سرکاری خزانوں کو عوام پر خرچ کرنے اور رفاہی کاموں کو انجام دینے کی تدبیر کی۔ اس سلسلہ میں چند نکات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے:

اورنگ زیب کا ایک بڑا کارنامہ سماجی اصلاح بھی ہے۔ انہوں نے بھنگ کی کاشت پر پابندی لگائی۔ شراب وجوے کی ممانعت کردی۔ قحبہ گری کو روکا اور فاحشہ عورتوں کو شادی کرنے پر مجبور کیا۔ لونڈی، غلام بنا کر رکھنے یا خواجہ سرار کھنے پر پابندی لگائی۔

1- اب تک عوام پر بہت سارے ٹیکس لگائے جاتے تھے اور یہ صرف مغل حکمرانوں کا ہی طریقہ نہیں تھا، بلکہ اس زمانہ میں جو راجے رجواڑے اور ان کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں، وہ بھی اس طرح کے ٹیکس لیا کرتی تھیں۔ شیواجی تو اپنے مقبوضہ علاقہ میں چوتھ یعنی پیداوار کا چوتھائی حصہ وصول کیا کرتے تھے۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ نے مال گزاری کے علاوہ جو ٹیکس لئے جاتے تھے، جن کی تعداد 80 ذکر کی گئی ہے، ان سب کو نامنصفانہ اور کسان مخالف قرار دیتے ہوئے ختم کردیا، حالانکہ ان کی آمدنی کروڑوں میں ہوتی تھی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ عام طور پر اورنگ زیب کو ہندو مخالف پیش کیا جاتا ہے، لیکن انہوں نے متعدد ایسے ٹیکسوں کو معاف کردیا، جن کا تعلق ہندوؤں سے تھا، جیسے گنگا پوجا ٹیکس، گنگا اشنان ٹیکس اور گنگا میں مردوں کو بہانے کا ٹیکس۔

2- انہوں نے مال گزاری کا قانون مرتب کیا اور اس کے نظم ونسق کو پختہ بنایا۔ یہاں تک کہ شاہ جہاں کے دور میں ڈھائی کروڑ پونڈ کے قریب سلطنت کی آمدنی تھی، تو وہ عالمگیر کے دور میں چار کروڑ پونڈ کے قریب پہنچ گئی۔

3- حکومتوں میں یہ رواج تھا کہ جب کسی عہدہ دار کا انتقال ہوجاتا' تو اس کی ساری جائیداد ضبط کرلی جاتی اور حکومت کے خزانہ میں داخل ہوجاتی۔ آج بھی بعض مغربی ملکوں میں ایسا قانون موجود ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کے بغیر دنیا سے گزر جائے تو اس کا پورا ترکہ حکومت کی تحویل میں چلا جاتا ہے۔ عالمگیر نے اس طریقہ کو ختم کیا، تاکہ عہدہ دار کے وارثوں کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔

4- انہوں نے اس بات کی کوشش کی کہ مظلوموں کیلئے انصاف کا حصول آسان ہوجائے۔ وہ روزانہ دو تین بار دربار عام کرتے تھے۔ یہاں حاضری میں کسی کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ ہر چھوٹا بڑا، غریب و امیر، مسلمان وغیر مسلم، بے تکلف اپنی فریاد پیش کرسکتا تھا اور بلا تاخیر اس کو انصاف فراہم کیا جاتا تھا۔ وہ اپنے خاندان کے لوگوں، شہزادوں اور مقرب عہدہ داروں کے خلاف فیصلہ کرنے میں بھی کسی تکلف سے کام نہیں لیتے تھے' لیکن اس کے علاوہ انہوں نے دور دراز کے لوگوں کے لئے 1082ء میں ایک فرمان کے ذریعہ ہر ضلع میں سرکاری نمائندے مقرر کئے کہ اگر لوگوں کو بادشاہ اور حکومت کے خلاف کوئی دعویٰ کرنا ہو' تو وہ ان کے سامنے پیش کریں اور ان کی تحقیق کے بعد عوام کے حقوق ادا کردیں۔

5- عالمگیر کا ایک بڑا کارنامہ حکومت کی باخبری کے لئے واقعہ نگاری اور پرچہ نویسی کا نظام تھا، جس کے ذریعہ ملک کے کونے کونے سے بادشاہ کے پاس اطلاعات آتی رہتی تھیں اور حکومت تمام حالات سے باخبر رہ کر مناسب قدم اٹھاتی تھی۔ اس نظام کے ذریعہ ملک کا تحفظ بھی ہوتا تھا، عوام کو بروقت مدد بھی پہنچائی جاتی تھی اور عہدہ داروں کو ان کی غلطیوں پر سرزنش بھی کی جاتی تھی، اس کا سب سے بڑا فائدہ رشوت ستانی کے سدباب کی شکل میں سامنے آیا۔ عام طور پر حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں کو رشوت ''گفٹ'' کے نام پر دی جاتی ہے۔ یہ نام کرپشن کے لئے ایک پردہ کا کام کرتا تھا۔ اس زمانہ میں یہ رقم نذرانہ کے نام سے دی جاتی تھی، جو بادشاہوں کو حکومت کے عہدہ داران اور اصحاب ثروت کی جانب سے اور عہدہ داروں کو ان کے زیر اثر رعایا کی جانب سے ملا کرتی تھی۔ اورنگ زیب نے ہر طرح کے نذرانہ پر پابندی لگادی، خاص کر نوروز کے جشن پر تمام امراء بادشاہ کی خدمت میں بڑے بڑے نذرانے پیش کرتے تھے، اورنگ زیب نے اپنی حکومت کے 21 ویں سال اس جشن ہی کو موقوف کردیا اور فرمان جاری کردیا کہ خود ان کو کسی قسم کا نذرانہ پیش نہ کیا جائے۔

6- عام طور پر جہاں بھی شخصی حکومتیں رہی ہیں، وہاں عوام کو اطاعت وفرمانبرداری پر قائم رکھنے کیلئے بادشاہ کے بارے میں مبالغہ آمیز تصورات کا اسیر بنایا جاتا ہے، اسی لئے تیمور لنگ کہا کرتا تھا کہ جیسے آسمان پر خدا ہے، زمین میں وہی درجہ ایک بادشاہ کا ہے، اسی لئے مغلوں کے یہاں بھی ہندوانہ طریقہ کے مطابق ایک طرح کی بادشاہ پرستی مروّج رہی ہے۔ عالمگیر نے جھروکا درشن بالکلیہ ختم کردیا، جس میں لوگ صبح کو بطور عبادت بادشاہ کا دیدار کرتے تھے اور اس وقت تک کھاتے پیتے نہیں تھے، البتہ اس بات کی اجازت تھی کہ اگر کوئی ضرورت مند آئے' تو اس کی درخواست رسّی میں باندھ کر اوپر بادشاہ کے پاس پہنچا دی جائے۔

7- عموماً حکمرانوں کی شاہ خرچی اور حکمرانوں کے چونچلے غریب عوام کی کمر توڑ دیتے ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر نے ایسے تکلفات کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی، جیسا کہ گزرا کہ شاہی نذرانوں کو بند کیا۔ دربار شاہی میں بادشاہوں کی تعریف کرنے والے شعراء ہوا کرتے تھے اور ان پر ایک ذمہ دار ہوا کرتا تھا، جو ''ملک الشعراء'' کہلاتا تھا، اورنگ زیب نے اس شعبہ کو ختم کردیا۔ وہ اپنی شان میں کسی بڑائی اور مبالغہ آمیز شاعری کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ بادشاہ کا دل بہلانے کے لئے دربار شاہی میں گانے بجانے کا خصوصی انتظام ہوتا تھا، عالمگیر نے اس سلسلہ کو بھی موقوف کردیا۔

بادشاہ کے لکھنے کیلئے سونے اور چاندی کی دواتیں رکھی جاتی تھیں، عالمگیر نے اس کے بجائے چینی کی دواتیں رکھنے کی تلقین کی۔ انعام کی رقمیں چاندی کے بڑے طشت میں لائی جاتی تھیں، اس طشت کی رسم کو بھی اورنگ زیب نے موقوف کردیا۔ عام طور پر بادشاہوں کی جیب خرچ کے لئے کروڑوں روپے کی آمدنی مخصوص کردی جاتی تھی، آج بھی جمہوری ملکوں میں سربراہ حکومت کیلئے رہائش، سفر اور ضروریات وغیرہ پر جو رقمیں صرف کی جاتی ہیں اور رہائش کیلئے جو وسیع مکان اور اعلیٰ درجہ کی سہولت فراہم کی جاتی ہے، وہ گزشتہ بادشاہوں کی شاہ خرچی کو بھی شرمندہ کرتی ہیں، لیکن اورنگ زیب عالمگیرؒ نے اپنے لئے نہ کوئی عظیم الشان محل تعمیر کرایا، نہ اپنی تفریح کیلئے کوئی باغ بنوایا اور اپنے مصارف کیلئے بھی محض چند گاؤں کو اپنے حصہ میں رکھا اور بقیہ سارے مصارف کو حکومت کے خزانہ میں شامل کردیا۔

8- انہوں نے تعلیم کی ترقی پر خصوصی توجہ دی۔ ہر شہر اور ہر قصبہ میں اساتذہ مقرر ہوئے۔ نہ صرف اساتذہ کیلئے وظائف مقرر کئے گئے اور جاگیریں دی گئیں، بلکہ طلباء کے اخراجات اور مدد معاش کیلئے بھی حکومت کی طرف سے سہولتیں فراہم کی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب کے زیادہ تر فرامین تعلیم ہی سے متعلق ہیں، جن کو ان کے بعض تذکرہ نگاروں نے نقل بھی کیا ہے۔

عالمگیر

کامیاب' باعمل حکمران

9- اس زمانہ میں صنعت وحرفت کو آج کی طرح ترقی نہیں ہوئی تھی اور معیشت کا سب سے بڑا ذریعہ زراعت تھی۔ اورنگ زیب نے زرعی ترقی پر خصوصی توجہ دی۔ کسانوں کی حوصلہ افزائی کی۔ جن کسانوں کے پاس کاشت کاری کیلئے پیسہ نہیں ہوتا، ان کو سرکاری خزانوں سے پیسہ فراہم کیا جاتا۔ حسب ضرورت کسانوں سے مال گزاری معاف کی گئی' جو زمینیں افتادہ تھیں اور ان میں کاشت نہیں کی جاتی تھی، ان کو ایسے کسانوں کے حوالے کیا گیا، جو ان کو آباد کرنے کیلئے آمادہ تھے۔ اپنے عہدہ داروں کو ہدایت کی کہ کسانوں کو اتنا ہی لگان لگایا جائے، جتنا وہ باسانی اور بخوشی ادا کرسکیں۔ اگر وہ نقد کے بجائے جنس دینا چاہیں' تو قبول کرلیا جائے۔ انہوں نے کسانوں کیلئے کنویں کھدوانے، قدیم کنوؤں کو درست کرانے اور آب پاشی کے وسائل کو بہتر بنانے کو حکومت کی ایک ذمہ داری قرار دیا۔ انہوں نے زمین کے سروے کرنے پر خصوصی توجہ کی، تاکہ معلوم ہو کہ کون سی اراضی افتادہ ہیں اور ان کو قابل کاشت بنانے کی کیا صورت ہے؟

انہوں نے اپنے فرمان میں لکھا ہے: ''بادشاہ کی سب سے بڑی خواہش اور آرزو یہ ہے کہ زراعت ترقی کرے۔ اس ملک کی زرعی پیداوار بڑھے، کاشت کار خوش حال ہوں اور عام رعایا کو فراغت نصیب ہو، جو خدا کی طرف سے امانت کے طور پر ایک بادشاہ کو سونپی گئی ہے۔'' زرعی پیداوار کی طرف اسی توجہ کا نتیجہ تھا کہ اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں فتح ہونے والے بہت سے علاقے ایسے تھے، جہاں کے اخراجات وہاں کی آمدنی سے زیادہ تھے، لیکن پھر بھی کہیں غذائی اشیاء کی قلت محسوس نہیں کی گئی۔ اگر یہ صورت حال نہیں ہوتی' تو اتنے طویل وعریض رقبہ پر پچاس سال تک اورنگ زیب حکومت نہیں کرپاتے اور وہ عوام کی بغاوت کے نتیجہ میں مملکت پارہ پارہ ہوجاتی۔

10- اورنگ زیب کا ایک بڑا کارنامہ سماجی اصلاح بھی ہے۔ انہوں نے بھنگ کی کاشت پر پابندی لگائی۔ شراب وجوے کی ممانعت کردی۔ قحبہ گری کو روکا اور فاحشہ عورتوں کو شادی کرنے پر مجبور کیا۔ لونڈی، غلام بنا کر رکھنے یا خواجہ سرا رکھنے پر پابندی لگائی۔

11 ہندو سماج میں عرصہ دراز سے ستی کا طریقہ مروّج تھا، جس کے تحت شوہر کے مرنے کے بعد بیوی شوہر کی چتا کے ساتھ نذر آتش کردی جاتی تھی۔ ہندو سماج میں اسے مذہبی عمل سمجھا جاتا تھا۔ مغلوں نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا کہ غیر مسلموں کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کی جائے، اس لئے اورنگ زیب نے قانونی طور پر اس کو بالکلیہ تو منع نہ کیا، لیکن اصلاح اور ذہن سازی کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے عہدہ داروں کو ہدایت دی کہ وہ عورتوں کو اس رسم سے باز رکھنے کی کوشش کریں اور اپنی خواتین کے ذریعہ بھی ان کو اس کی دعوت دیں۔ نیز پابندی عائد کردی کہ علاقہ کے صوبہ دار کی اجازت کے بغیر ستی نہ کی جائے، تاکہ کسی عورت کو اس عمل پر اس کے میکہ' سسرال والے یا سوسائٹی کے دوسرے لوگ مجبور نہ کرسکیں، اس طرح عملاً ستی کا رواج تقریباً ختم ہوگیا۔

غرض کہ اورنگ زیب نے قدیم سڑکوں اور سرایوں کی مرمت، نئی سڑکوں اور مسافر خانوں کی تعمیر، تعلیمی اداروں اور عبادت گاہوں کو جاگیروں کے عطیہ وغیرہ کے جو رفاہی کام کیے، ان کے علاوہ مختلف دوسرے میدانوں میں جو خدمتیں انجام دی ہیں، وہ بھی آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ ان کی رحم دلی، انصاف پروری اور عفو ودرگزر کا ان لوگوں نے بھی اعتراف کیا ہے، جو ان کو ایک خشک مزاج، ناروادار اور سخت گیر حکمراں قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے حریفوں کے ساتھ خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، سنی ہوں یا شیعہ، پٹھان ہوں یا مراٹھے وراجپوت، زیادہ سے زیادہ صلح اور درگزر کی پالیسی اختیار کی۔ خود شیواجی کو جس طرح انہوں نے بار بار معاف کیا اور اس کے بیٹے کو گلے لگایا، یہ اس کی بہترین مثال ہے۔

مگر افسوس کہ انگریزوں نے ہندوستان کی دو بڑی قوموں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت کی دیوار قائم کرنے کی جو منصوبہ بند کوشش کی، اس میں مغلوں کے دور حکومت کو عموماً اور آخری پرشوکت مغل بادشاہ اورنگ زیب (جس کو انگریز اپنے راستہ میں رکاوٹ سمجھتے تھے) کے بارے میں خصوصاً بڑی غلط فہمیاں پھیلائیں اور بعض مصنفین نے ان کا آلہ کار بنتے ہوئے ایسی کتابیں تصنیف کیں، جن کو تاریخ اور واقعہ نگاری کے بجائے ناول نگاری اور افسانہ نویسی کہا جائے' تو زیادہ مناسب ہوگا۔ انہوں نے ایسی بے بنیاد باتیں لکھ دیں' جن کا حقیقت اور واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اورنگ زیب کو ایک ہندو دشمن حکمراں کی حیثیت سے پیش کیا گیا اور اس کے لئے اورنگ زیب اور شیواجی کی جنگ کو بنیاد بنایا گیا، حالانکہ یہ ایک سیاسی جنگ تھی نہ کہ مذہبی۔ اورنگ زیب اور شیواجی کی جنگ میں اورنگ زیب کا سب سے معتمد کمانڈر ایک راجپوت راجہ جے سنگھ تھا اور بے شمار راجپوت اور مراٹھے سردار اورنگ زیب کے ساتھ تھے اور ان کی فوج میں بھی بڑی تعداد پٹھانوں، راجپوتوں اور شیواجی کے مخالف مراٹھوں کی تھی۔ اورنگ زیب کے عہد میں جو غیر مسلم حکومت کے اعلیٰ ترین عہدوں پر رہے ہیں، ان میں کئی مرہٹے ہیں، جن میں شیواجی کے داماد اور بھتیجے بھی شامل ہیں۔

علامہ شبلیؒ نے ان کا نام بہ نام ذکر کیا ہے، جن کی تعداد 26 ہے۔ خود شیواجی کو بھی اورنگ زیب نے پنج ہزاری منصب عطا کیا تھا، جو بڑا منصب تھا، جس پر بادشاہ کے بعض شہزادے، قریبی رشتہ دار اور معتمد عہدہ دار فائز تھے، البتہ شیواجی ہفت ہزاری چاہتے تھے، مگر راجپوت اور پٹھان اعیان حکومت اس کے حق میں نہیں تھے۔ تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ شیواجی جو مغلوں کے خلاف گوریلا جنگ لڑا کرتے تھے، وہ گاؤں کے گاؤں لوٹ لیا کرتے تھے۔ قلعوں کو تاخت وتاراج کردیا کرتے تھے۔ یہ لوٹ ماران کی مستقل حکمت عملی تھی۔ اس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی کوئی تفریق نہیں ہوا کرتی تھی۔ سورت اس زمانہ میں جنوبی ہند کی سب سے بڑی منڈی تھی، جو بیرونی ممالک سے درآمد و برآمد کا بہت بڑا ذریعہ تھا۔ یہاں غالب آبادی ہندوؤں کی تھی۔ شیواجی موقع بہ موقع وہاں ایسا حملہ کرتے تھے کہ پورا شہر ویران ہوجاتا تھا۔ کیا ہندو 'کیا مسلمان' کیا ملکی اور کیا غیر ملکی؟ سب کے سب ان حملوں سے پناہ چاہتے تھے۔ ان حملوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی کوئی تفریق نہیں تھی، بلکہ تاجروں کی غالب تعداد ہندوؤں کی تھی، اس لئے ان کو زیادہ نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ شیواجی جن کو مراٹھوں کا نجات دہندہ سمجھا جاتا ہے، خود مراٹھوں کے خلاف بھی انہوں نے وہی کیا، جو ہر بادشاہ اپنے اقتدار کی حفاظت کیلئے کیا کرتا ہے۔

بیجاپور کے پہلے سلطان نے ایک مراٹھے خاندان کو ''جاولی'' کا علاقہ عطا کیا، جس نے ایک مضبوط ریاست بنائی اور یہ بتدریج کوکن کے پورے علاقہ پر قابض ہوگیا۔ اس خاندان کے راجہ کا خاندانی لقب چندر راؤ تھا۔ شیواجی کا احساس تھا کہ جب تک چندر راؤ کا قتل نہ کیا جائے اور اس کی سلطنت پر قبضہ نہ ہوجائے، شیواجی جس وسیع سلطنت کا منصوبہ رکھتے ہیں' وہ شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا، اس لئے اس نے دھوکہ دے کر اس مرہٹہ راجہ کو قتل کیا، اس کے بھائی کو زخمی کیا اور اس کی سلطنت پر قابض ہوگئے۔ غرض کہ اورنگ زیب اور شیواجی کی جنگ کوئی مذہبی جنگ نہیں تھی، بلکہ ایک سیاسی جنگ تھی، جو حکمرانوں کے درمیان ہمیشہ ہوتی رہی ہے۔ نہ اورنگ زیب نے اسلامی نقطہ نظر سے یہ جنگ لڑی ہے اور نہ شیواجی کا حملہ ہندوؤں کے وقار کی حفاظت کیلئے ہوا ہے۔

> حکومتوں میں یہ رواج تھا کہ جب کسی عہدہ دار کا انتقال ہوجاتا' تو اس کی ساری جائیداد ضبط کرلی جاتی اور حکومت کے خزانہ میں داخل ہوجاتی۔ آج بھی بعض مغربی ملکوں میں ایسا قانون موجود ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کے بغیر دنیا سے گزر جائے' تو اس کا پورا ترکہ حکومت کی تحویل میں چلا جاتا ہے۔ عالمگیر نے اس طریقہ کو ختم کیا، تاکہ عہدہ دار کے وارثوں کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔

اورنگ زیب پر ایک الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے ہندوؤں کی عبادت گاہوں کو منہدم کیا ہے اور مندر شکنی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اورنگ زیب کے عہد میں بعض مندر منہدم کیے گئے ہیں، لیکن اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اس کا سبب کیا تھا؟ غیر جانب دار مؤرخین نے لکھا ہے کہ اورنگ زیب نے انہیں مندروں کو منہدم کیا تھا، جو غیر قانونی طور پر بنائے گئے تھے، مثلاً اورچھا میں بیر سنگھ دیو کے بنائے ہوئے ایک مندر کو اورنگ زیب نے منہدم کرادیا، لیکن اس لئے کہ بیر سنگھ دیو نے اولاً تو ظالمانہ طور پر ابوالفضل کو قتل کیا اور پھر اسی کے سرمایہ سے وہ مندر بنایا۔

(باقی صفحہ 29 پر)

زیب اور شیواجی کی افواج میدان جنگ میں

کیا اورنگ زیب نے بوئے تھے تقسیم ہند کے بیج؟

تحریر: ریحان فضل

مغل بادشاہوں میں صرف ایک شخص ہندوستان کی اکثریتی برادری میں مقبولیت حاصل کرنے میں ناکام رہا اور اس شخص کا نام اورنگ زیب عالمگیر تھا۔ ہندوستانیوں کے درمیان اورنگ زیب کی تصویر ایک سخت گیر مذہبی ذہنیت والے بادشاہ کی ہے جو ہندوؤں سے نفرت کرتا تھا اور جس نے اپنے بڑے بھائی دارا شکوہ کو بھی اپنے سیاسی مفاد کیلئے نہیں بخشا۔ علاوہ ازیں اس نے اپنے معمر والد شاہجہاں کو ان کی زندگی کے آخری ساڑھے سات سال تک آگرہ کے قلع میں قید رکھا۔ پاکستان کے ایک ڈرامہ نگار شاہد ندیم نے لکھا ہے کہ 'تقسیم ہند کے بیج اسی وقت بو دیئے گئے تھے' جب اورنگ زیب نے اپنے بھائی دارا کو شکست دی تھی۔ ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو نے بھی 1946ء میں شائع ہونے والی اپنی کتاب 'ڈسکوری آف انڈیا' میں اورنگ زیب کو ایک مذہبی اور قدامت پسند شخص کے طور پر پیش کیا ہے لیکن حال ہی میں ایک امریکی تاریخ داں آڈرے ٹرشکی نے اپنی تازہ کتاب 'اورنگ زیب، دی مین اینڈ دی متھ' میں بتایا ہے کہ یہ خیال غلط ہے کہ اورنگ زیب نے مندروں کو اس لئے مسمار کرایا کیونکہ وہ ہندوؤں سے نفرت کرتا تھا۔ ٹرشکی نیویارک کی رٹ جرس یونیورسٹی میں جنوبی ایشیا کی تاریخ پڑھاتی ہیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ اورنگ زیب کی اس شبیہ کیلئے انگریزوں کے زمانے کے مورخ ذمہ دار ہیں، جو انگریزوں کی 'پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو' کی پالیسی کے تحت ہندو مسلم مخاصمت کو فروغ دیتے تھے۔ اس کتاب میں وہ یہ بھی بتاتی ہیں کہ اگر اورنگ زیب کی حکمرانی 20 سال کم ہوتی، تو جدید مورخوں نے ان کا مختلف ڈھنگ سے تجزیہ کیا ہوتا۔ اورنگ زیب نے 49 سال تک 15 کروڑ افراد پر حکومت کی۔ ان کے دور میں مغل سلطنت اتنی وسیع ہوئی کہ پہلی بار انہوں نے تقریباً پورے برصغیر کو اپنی سلطنت کا حصہ بنالیا۔

ٹرشکی لکھتی ہیں کہ اورنگ زیب کو ایک کچی قبر میں مہاراشٹر کے خلد آباد میں دفن کیا گیا، جبکہ اس کے برعکس ہمایوں کیلئے دہلی میں لال پتھر کا مقبرہ بنوایا گیا اور شاہ جہاں کو عالیشان تاج محل میں دفنایا گیا۔ ان کے مطابق "یہ ایک غلط فہمی ہے کہ اورنگ زیب نے ہزاروں ہندو منادر توڑے۔ ان کے حکم سے براہ راست چند منادر ہی توڑے گئے۔ ان کے دور حکومت میں ایسا کچھ نہیں ہوا، جسے ہندوؤں کا قتل عام کہا جا سکے۔ دراصل اورنگ زیب نے اپنی حکومت میں بہت سے اہم عہدوں پر ہندوؤں کو تعینات کیا۔" اورنگ زیب 3 نومبر 1618ء کو داہود میں اپنے دادا جہانگیر کے دور میں پیدا ہوئے۔ وہ شاہ جہاں کے تیسرے بیٹے تھے۔ شاہ جہاں کے چار بیٹے تھے اور ان تمام کی ماں ممتاز محل تھیں۔ اسلامی علوم کے علاوہ اورنگ زیب نے ترکی ادب کی تعلیم اور خطاطی میں مہارت حاصل کی۔ دوسرے مغل بادشاہوں کی طرح اورنگ زیب بھی بچپن سے ہی ہندی میں فراٹے کے ساتھ گفتگو کرتے تھے۔ کم عمری سے ہی شاہجہاں کے چار بیٹوں میں مغل تخت حاصل کرنے کا مقابلہ تھا۔ مغل وسط ایشیا کے اسی اصول پر یقین رکھتے تھے، جس میں تمام بھائیوں کا حکومت پر برابر کا حق تھا۔ شاہجہاں اپنے سب سے بڑے بیٹے دارا شکوہ کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا، لیکن اورنگ زیب کا خیال تھا کہ وہ مغل سلطنت کا سب سے زیادہ قابل اور وارث ہے۔

ہاتھی سے ٹکر

آڈری ٹرشکی نے ایک واقع کا ذکر کیا ہے کہ دارا شکوہ کی شادی کے بعد شاہ جہاں نے دو ہاتھی سدھاکر اور شیام سندر کے درمیان ایک مقابلہ کرایا۔ یہ مغلوں کیلئے تفریح کا پسندیدہ ذریعہ تھا۔ اچانک سدھاکر گھوڑے پر سوار اورنگ زیب کی طرف غصہ سے بڑھا۔ اورنگ زیب نے پھرتی سے سدھاکر کی پیشانی پر نیزے سے وار کیا، جس کے نتیجے میں وہ مزید بپھر گیا۔ اس نے گھوڑے کو اتنے زور سے مارا کہ اورنگ زیب زمین پر آگرا۔ عینی شاہدین میں ان کے بھائی شجاع اور راجہ جے سنگھ شامل تھے، جنہوں نے اورنگ زیب کو بچانے کی کوشش کی، لیکن بالآخر دوسرے ہاتھی شیام سندر نے سدھاکر کی توجہ وہاں سے اپنی جانب کھینچ لی۔ شاہجہاں کے درباری شاعر ابو طالب نے اس واقعے کا ذکر کیا ہے۔

اورنگ زیب کا عشق

ایک دوسرے مؤرخ عقیل خاں رضی نے اپنی کتاب 'واقعات عالمگیری' میں لکھا ہے کہ اس پورے مقابلے کے دوران دارا شکوہ پیچھے کھڑے رہے اور انھوں نیا اورنگ زیب کو بچانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ شاہجہاں کے درباری مؤرخ نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور اس کا موازنہ 1610ء میں ہونے والے اس واقعہ سے کیا، جب شاہجہاں نے اپنے والد جہانگیر کے سامنے ایک خوفناک شیر کو شکست دی تھی۔ ایک دوسری مؤرخ کیتھرین براؤن نے 'ڈِڈ اورنگ زیب بین میوزک' کے عنوان سے اپنے ایک مضمون میں لکھا کہ اورنگ زیب اپنی خالہ سے ملنے برہان پور گئے، جہاں ہیرا بائی زین آبادی پر ان کا دل آ گیا۔ ہیرا بائی ایک گلوکار اور رقاصہ تھی۔ اورنگ زیب نے ان کو آم کے ایک درخت سے آم توڑتے دیکھا اور ان کے دیوانے ہو گئے۔ عشق اس حد تک پروان چڑھا کہ وہ ہیرا بائی کے کہنے پر زندگی میں شراب نہ پینے کی اپنی قسم کو توڑنے کیلئے تیار ہو گئے تھے، لیکن جب اورنگ زیب شراب کا گھونٹ لینے ہی والے تھے کہ ہیرا بائی نے انہیں روک دیا، لیکن ایک سال بعد ہی ہیرا بائی کی موت ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی ان کی محبت اپنے انجام کو پہنچی۔ ہیرا بائی کو اورنگ آباد میں ہی دفن کیا گیا۔

اگر داراشکوہ بادشاہ بن جاتے!

آڈرے ٹرشکی اس کا جواب دیتے ہوئے کہتی ہیں: درحقیقت دارا شکوہ مغل سلطنت کو چلانے یا جیتنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ ہندوستان کے تاج کو حاصل کرنے کی جدوجہد میں بیمار بادشاہ کی حمایت کے باوجود دارا شکوہ اورنگ زیب کی سیاسی سمجھ اور تیزی کا مقابلہ نہیں کر پائے۔ 1658ء میں اورنگ زیب اور ان کے چھوٹے بھائی مراد نے آگرہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت ان کے والد شاہجہاں قلعہ میں ہی موجود تھے۔ انھوں نے قلعہ کے پانی کی فراہمی روک دی۔ کچھ ہی دنوں میں شاہجہاں نے قلعہ کا دروازہ کھول کر اپنے خزانے، ہتھیاروں اور اپنے آپ کو اپنے دونوں بیٹوں کے حوالے کر دیا۔ اپنی بیٹی کو ثالث بناتے ہوئے شاہجہاں نے اپنی سلطنت کو پانچ حصوں میں تقسیم کرنے کی آخری پیشکش کی، جسے چار بھائیوں اور اورنگ زیب کے سب سے بڑے بیٹے محمد سلطان کے درمیان تقسیم کیا جا سکے، لیکن اورنگ زیب نے اسے قبول نہیں کیا۔ جب 1659ء میں دارا شکوہ کو اس کے ایک قابل اعتماد ساتھی ملک جیون نے پکڑوا کر دہلی بھجوایا، تو اورنگ زیب نے انھیں اور ان کے 14 سالہ بیٹے کو ستمبر کی اُمس بھری گرمی میں چیتھڑوں میں لپٹا کر خارش کی بیماری سے دوچار ہاتھی پر بٹھا کر دہلی کی سڑکوں پر پھرایا۔ ان کے پیچھے ننگی تلوار لئے ایک سپاہی چل رہا تھا، تاکہ اگر وہ بھاگنے کی کوشش کریں، تو ان کا سر قلم کر دیا جائے۔ اس وقت ہندوستان کا سفر کرنے والے اطالوی مؤرخ نکولائی مانوچی نے اپنی کتاب 'اسٹوری ادو موگور' میں لکھا ہے: 'دارا کی موت کے دن اورنگ زیب نے ان سے پوچھا تھا کہ اگر ان کے کردار تبدیل ہو جائیں، تو وہ ان کے ساتھ کیا کریں گے؟ دارا نے جواب دیا تھا کہ وہ اورنگ زیب کے جسم کو چار حصوں میں کٹوا کر دلی کے چار اہم دروازوں پر لٹکوادیں گے۔'

> **پاکستان کے ایک ڈرامہ نگار شاہد ندیم نے لکھا ہے کہ 'تقسیم ہند کے بیج اسی وقت بو دیئے گئے تھے' جب اورنگ زیب نے اپنے بھائی دارا کو شکست دی تھی۔**

> **دارا کی موت کے دن اورنگ زیب نے ان سے پوچھا تھا کہ اگر ان کے کردار تبدیل ہو جائیں، تو وہ ان کے ساتھ کیا کریں گے؟ دارا نے جواب دیا تھا کہ وہ اورنگ زیب کے جسم کو چار حصوں میں کٹوا کر دلی کے چار اہم دروازوں پر لٹکوادیں گے۔**

اورنگ زیب کا مقبرہ

اورنگ زیب نے ہمایوں کی قبر کے ساتھ اپنے بھائی کو دفن کرایا، لیکن بعد میں اسی اورنگ زیب نے اپنی بیٹی زیب النساء کی شادی دارا شکوہ کے بیٹے سے کی تھی۔ اورنگ زیب نے اپنے باپ شاہجہاں کو ان کی زندگی کے آخری ساڑھے سات سالوں تک آگرہ کے قلعہ میں قید رکھا، جہاں اکثر ان کا ساتھ ان کی بڑی بیٹی جہاں آراء دیا کرتی تھی۔ اس کا سب سے بڑا نقصان اورنگ زیب کو اس وقت ہوا، جب مکہ کے شریف نے اورنگ زیب کو ہندوستان کا باضابطہ حکمران ماننے سے انکار کر دیا اور کئی سالوں تک ان کے تحائف لینے سے انکار کرتے رہے۔

بابا جی دھن دھن

اورنگ زیب 1679ء میں دہلی کو چھوڑ کر جنوبی ہند منتقل ہو گئے اور پھر کبھی شمالی ہند واپس نہیں آ سکے۔ ان کے ساتھ ہزاروں لوگوں کا قافلہ بھی جنوب کیلئے روانہ ہوا، جس میں شہزادہ اکبر کو چھوڑ کر ان کے تمام بیٹے اور ان کا پورا حرم شامل تھا۔ ان کی غیر موجودگی میں دہلی ایک آسیب زدہ شہر نظر آنے لگا اور لال قلعہ کے کمروں میں اتنی دھول چھا گئی کہ غیر ملکی مہمانوں کو اسے دکھانے سے بچایا جانے لگا۔ اورنگ زیب اپنی کتاب 'رقعات عالمگیری' میں لکھا ہے کہ جنوب میں انہیں سب سے زیادہ آم کی کمی محسوس ہوتی تھی۔ بابر سے لے کر تمام مغل بادشاہوں کو آم بہت پسند تھے۔ ٹرشکی لکھتی ہیں کہ اورنگ زیب اکثر اپنے حکام سے شمالی ہند کے آم بھیجنے کی فرمائش کرتے۔ انھوں نے کچھ آموں کو بھی سدھارس اور رسنا بلاس جیسے ہندی نام بھی رکھے۔ 1700ء میں اپنے بیٹے شہزادہ اعظم کو لکھے ایک خط میں اورنگ زیب نے انہیں ان کے بچپن کی یاد دلائی، جب انھوں نے نگاڑے بجنے کی نقل کرتے ہوئے اورنگ زیب کیلئے ایک ہندی خطاب کا استعمال کیا تھا، 'بابا جی دھن، دھن'۔ اپنے آخری دنوں میں اورنگ زیب اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کام بخش کی والدہ اودے پوری کے ساتھ رہے، جو کہ ایک گلوکارہ تھی۔ بستر مرگ سے کام بخش کو ایک خط میں اورنگ زیب نے لکھا کہ ان کی بیماری میں اودے پوری ان کے ساتھ رہ رہی ہیں اور ان کی موت میں بھی ان کے ساتھ ہوں گی۔ اورنگ زیب کی موت کے چند مہینے بعد ہی 1707ء کی گرمیوں میں اودے پوری کی بھی موت ہو گئی۔

اورنگ زیب

بادشاہ تھا یا ولی

ایک عجیب واقعہ، جس پر یقین کرنا آسان نہیں

تحریر: گل زیب انجم

ابوالمظفر

محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر مغلیہ خاندان کا چھٹا بادشاہ تھا۔ اورنگ زیب نے جس دور میں آنکھ کھولی' وہ مادہ پرستی کا عظیم دور تھا۔ اس کا باپ شاہجہان عشاق کی دنیا کا عظیم تر انسان تھا' جس کی عاشقی کا منہ بولتا ثبوت آج بھی تاج محل کی صورت میں موجود ہے۔ یوں تو نورالدین جہانگیر اور جلال الدین اکبر بھی کسی سے کم نہ تھے، لیکن اورنگ زیب ایک الگ فطرت لے کر پیدا ہوا۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی ہندوؤں اور مسلمانوں کی فضول رسمیں ختم کیں اور فحاشی کا انسداد کیا، نشاط و سرور کی محفلیں ناپسند کیں، خوبصورت مقبروں کی تعمیر و نمائش ممنوع قرار دی۔ قوال، نجومی اور شاعر موقوف کر دیے۔ شراب' افیون اور بھنگ بند کر دی۔ درشن جھروکہ کی رسم ختم کی۔ بادشاہوں کو سلام کرنے کا اسلامی طریقہ رائج کیا، سجدہ کرنا' ہاتھ اٹھانا موقوف ہوا۔ سکوں پر کلمہ لکھنے کا دستور ختم کیا، کھانے کی جنسوں پر سے ہر قسم کے محصول بھی ہٹا دیے۔

اورنگ زیب کی یہ ابتدائی تبدیلیاں تھیں' جو اسے دوسروں سے نمایاں کر رہی تھیں۔ عدل و انصاف اسے وارثت میں ملے ہوئے تھے' جس کی ایک مثال اس کے دادا جہانگیر کی زنجیر عدل ہے۔ تاریخ سے یہ بھی شواہد ملتے ہیں کہ اس کے آباء کی دعائیں بروقت قبول ہوتی تھیں' جیسا کہ ظہیرالدین بابر کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے اپنے بیٹے ہمایوں کو قریب المرگ دیکھ کر چارپائی کے پاس چکر لگاتے ہوئے دعا کی۔ اے میرے پروردگار! اگر میری عمر میرے بیٹے کی عمر سے زیادہ ہے' تو میری عمر میرے بیٹے کو بخش دے اور اس کی جگہ موت مجھے دے دے۔ تاریخ گواہ ہے کے یہ دعا بروقت قبول ہوئی، ہمایوں ٹھیک ہو گیا اور بابر راہی عدم ہو گیا۔ یوں بھی متفقہ فیصلہ ہے کہ ایک عادل حکمران کی دعا چالیس اولیاء اللہ کی دعاؤں سا اثر رکھتی ہے۔

اورنگ زیب کو جہاں مغلیہ شہنشاہ کی حیثیت سے جانتی ہے' وہیں علماء کی ایک جماعت اسے مجذوب اور ولی کی حیثیت سے پہچانتی اور یاد کرتی ہے۔ اسی مجذوب کی مجذوبیت کے پیش نظر ایک واقعہ پیش کیا جا رہا ہے' جو اورنگ زیب کی مجذوبی اور عدل و انصاف کو ظاہر کرتا ہے۔

اورنگ زیب کو جہاں مغلیہ شہنشاہ کی حیثیت سے جانتی ہے' وہیں علماء کی ایک جماعت اسے مجذوب اور ولی کی حیثیت سے پہچانتی اور یاد کرتی ہے۔

واقعہ اس طرح کا ہے کہ ایک بار دہلی میں قتل کی ایک واردات ہوئی۔ عدالت نے اس قاتل کو سزائے موت سنا دی۔ جب رحم کی درخواست بادشاہ کے پاس پہنچی' تو بادشاہ نے وہ درخواست بھی مسترد کر دی۔

پھانسی سے ایک روز پہلے کی بات ہے کہ قاتل کا غمزدہ بھائی پریشانی کے عالم میں بازار میں گھوم رہا تھا کہ ایک نامعلوم شخص نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک غلیظ لباس والا بوڑھا شخص کھڑا تھا' جس کا سر اور پورا جسم گرد آلود تھا۔ اس کے چہرے سے فاقہ زدگی ٹپک رہی تھی، اس شخص نے صرف دو لفظ کہے بھوک اور روٹی۔ اسے بوڑھے کی حالت پر ترس آگیا اور اس نے قریبی دوکان سے اسے کھانا کھلایا۔ اس نے دیکھا کہ وہ شخص وحشیوں کی طرح کھانا کھا رہا ہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر بوڑھے شخص نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ 'مانگ کیا مانگتا ہے' غمزدہ شخص مسکرایا کہ جسے کھانے کو نہ جانے کب سے کچھ نہ ملا وہ مجھے کیا دے گا۔ بوڑھے نے دوبارہ تحکم آمیز انداز میں کہا۔ ''مانگ کیا مانگتا ہے'' اس پر وہ شخص بولا' کل صبح میرے بھائی کو پھانسی دی جا رہی ہے اسے رکوا سکتے ہو۔ یہ سن کر بوڑھے مجذوب کی کیفیت ہی بدل گئی۔ خوف اس کے چہرے سے ٹپکنے لگا اور وہ موت موت دیر ہو گئی کہ عجیب و غریب الفاظ کہتے ہوئے ایک طرف کو بھاگ نکلا۔

اگلے دن وہ آدمی آخری ملاقات کیلئے آٹھ بجے قید خانے کے باہر پہنچ گیا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ بادشاہ اورنگ زیب گھوڑے پر سوار قید خانے کی طرف آ رہا ہے۔ قید خانے کے عملے میں بادشاہ کی اس غیر متوقع آمد پر کھلبلی مچ گئی۔ بادشاہ سیدھا اندر چلا گیا اور قید خانے کے داروغہ سے پھانسی پانے والے آدمی کے کاغذات طلب کئے اور اس پر حکم لکھا۔ 'قاتل کو فوراً رہا کیا جائے' قید خانے کا داروغہ اس حکم نامے پر ششدر تھا۔ بادشاہ نے پہلی بار اپنا سزائے موت کا فیصلہ منسوخ کیا تھا۔ بہرحال بادشاہ کے حکم کے تحت قاتل کو رہا کر دیا گیا۔ قاتل ہنسی خوشی اپنے بھائی کے ساتھ گھر چلا گیا اور بادشاہ بھی واپس چلا گیا۔

پھانسی کا وقت دس بجے مقرر کیا گیا تھا۔ متعلقہ افسر قاتل کو پھانسی لگانے قید خانے پہنچا' تو قید خانے کے داروغہ نے اسے قاتل کی رہائی کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ حاکم نے داروغہ کی بات پر یقین کرنے سے انکار کر دیا اور سیدھا محل جا پہنچا۔ وہاں جا کر اسے پتہ چلا کہ شہنشاہ باہر جانے کیلئے کہیں نکلے ہی نہیں۔ یہ سن کر اس کے ہوش اڑ گئے۔ اس نے فوراً بادشاہ کو ملاقات کا عریضہ بھیجا۔ بادشاہ نے اسے اندر بلا لیا اور تفصیل سنتے ہی سخت مشتعل ہو گیا اور افسر کو لے کر سیدھا قید خانے پہنچا۔ قید خانے کا داروغہ ڈر کے مارے کانپ رہا تھا اور کانپتے کانپتے بادشاہ کو وہ سب کچھ بتایا کہ 'آپ اتنی دیر پہلے تشریف لائے تھے اور قاتل کی رہائی کا یہ تحریری حکم دیا تھا'۔ بادشاہ نے حکم نامہ دیکھا' جس پر مہر اور دستخط بھی اصلی تھے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد گویا بادشاہ معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا، اس نے داروغہ سے پوچھا' ہم قاتل کو آزاد کرنے کے بعد کس طرف گئے تھے' داروغہ نے اس طرف اشارہ کیا کہ آپ ادھر گئے تھے۔ بادشاہ بڑی تیزی سے اسی طرف روانہ ہو گیا اور جلد ہی وہ ایک ویرانے میں داخل ہو چکا تھا۔ اس نے کچھ دیر اور چلنے کے بعد دیکھا' ایک مجذوب دوڑتا ہوا جا رہا ہے۔ وہ خوف زدہ ہے اور بار بار مڑ کر پیچھے دیکھ رہا ہے۔ بادشاہ کے گھوڑے نے اسے جلد ہی جا لیا۔ وہ سر جھکائے خاموش کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے مجذوب سے پوچھا کہ نظام میں خلل ڈالنے کی سزا معلوم ہے؟ مجذوب نے جواب میں ایک لفظ کہا 'موت' پھر ایسا کیوں کیا؟ بادشاہ نے پوچھا۔ 'وعدہ کر چکا تھا' مجذوب نے مختصر جواب دیا۔ اب اپنی گردن پیش کرو۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ مجذوب نے گردن بڑھا دی۔ بادشاہ کی تلوار لہرائی اور مجذوب کا سر دور جا گرا۔

مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا یہ واقعہ بادشاہ اور مجذوب کے درمیان کشمکش کی انوکھی داستان ہے' جس میں بادشاہ اور مجذوب دونوں ہی جیت گئے۔ اس طرح کہ مجذوب نے اپنا مقصد حاصل کر لیا اور اورنگ زیب عالمگیر نے مجرم کو نہیں' تو اس کے وکیل اور نجات دہندہ کو سزا دے کر عدل و انصاف کی مثال قائم کر دی۔ اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب خود بھی اس نظام میں کسی عہدے پر فائز تھا' جس نظام کا یہ پراسرار مجذوب حصہ تھا۔ دیکھا جائے' تو اورنگ زیب ہرگز اس تک نہ پہنچ پاتا' اگر وہ اس پایہ کا شخص نہ ہوتا۔

مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا یہ واقعہ بادشاہ اور مجذوب کے درمیان کشمکش کی انوکھی داستان ہے' جس میں بادشاہ اور مجذوب دونوں ہی جیت گئے۔ اس طرح کہ مجذوب نے اپنا مقصد حاصل کر لیا اور اورنگ زیب عالمگیر نے مجرم کو نہیں' تو اس کے وکیل اور نجات دہندہ کو سزا دے کر عدل و انصاف کی مثال قائم کر دی۔ اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب خود بھی اس نظام میں کسی عہدے پر فائز تھا' جس نظام کا یہ پراسرار مجذوب حصہ تھا۔ دیکھا جائے' تو اورنگ زیب ہرگز اس تک نہ پہنچ پاتا' اگر وہ اس پایہ کا شخص نہ ہوتا۔

سلطنت مغلیہ کی کہکشاں کا چھٹا ستارہ احمد نگر میں بیمار ہوا اور 3 مارچ 1708 کو 90 برس کی عمر میں فوت ہوا۔ وصیت کے مطابق اسے خلد آباد میں دفن کیا گیا۔ خلد آباد کے قریب ایک مقام اورنگ آباد ہے' جس میں اورنگ زیب کی مختلف یادگاریں آج بھی محفوظ ہیں۔ یہ شہنشاہ بڑا پرہیزگار، مدبر اور اعلیٰ درجہ کا منتظم تھا۔ خزانے سے ذاتی خرچ کیلئے کبھی ایک پائی بھی نہ لی۔ وہ قرآن مجید لکھ کر اور ٹوپیاں سی کر گزارہ کرتا تھا۔

وہ سلجھا ہوا ادیب تھا۔ اس کے خطوط رقعات عالم گیر کے نام سے مرتب ہوئے۔ نظام حکومت چلانے کے لئے اس کے حکم پر ایک فتاویٰ تصنیف کی گئی' جسے تاریخ میں فتاویٰ عالمگیری کہا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے' نہ وہ صرف تلوار کا دھنی تھا' بلکہ قلم کا بھی بادشاہ تھا۔ فتاویٰ عالمگیری فقہ اسلامی میں حیثیت ایک ممتاز رکھتی ہے، اس لئے بعض علماء دین نے سلطان کو اپنے دور کا مجدد بھی قرار دیا ہے۔ سلطان نے لواحقین میں پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں چھوڑیں۔ مشہور شاعرہ زیب النساء مخفی ان ہی کی دختر تھیں۔ بیٹا محمد معظم باپ کی سلطنت کا وارث ہوا۔

تخت طاؤس پر بیٹھے اورنگ زیب عالمگیر

اورنگ زیب ظالم

تاریخ کے جھروکے سے

اورنگ زیب۔ توقیر بدر کر رہے ہیں اورنگ زیب

اورنگ زیب عالمگیر پر بنیادی طور پر تین الزامات عائد کیے جاتے ہیں۔

1۔ وہ مذہبی انتہا پسند تھا' ہندوؤں کا بدترین دشمن تھا۔ اس نے مندروں کو لوٹا اور انہیں گرا کر مسجدیں بنائیں۔ اس کے دور میں ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنایا جاتا تھا۔ ان پر جزیہ لگایا گیا۔ اسی کی وجہ سے ہندو مسلمان نفرت شروع ہوئی' یعنی وہ موجودہ مذہبی شدت پسندی کا باوا آدم ہے۔

2۔ وہ ایک ناکام بادشاہ تھا۔ اس کا پورا دور حکومت مرہٹوں، جاٹوں، راجپوتوں اور سکھوں سے لڑائی میں مصروف رہا۔ اس نے اپنی سلطنت اتنی وسیع کر لی کہ سنبھال نہ سکا۔ عوام اس سے تنگ تھے۔ مغل بادشاہت کا زوال اس کی وجہ سے ہوا۔ اس کی وجہ سے انگریز ہندوستان پر قابض ہو سکے۔

3۔ وہ ایک منافق اور ظالم ترین بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے باپ شاہجہاں کو قید کیے رکھا۔ اپنے بھائی دارا شکوہ کو قتل کروا دیا۔ اپنے بیٹے اکبر کے خلاف جنگ کی۔ نماز بھی کوئی نہ چھوڑی اور اپنے خاندان کا کوئی بندہ بھی زندہ نہ چھوڑا۔ اسلامی حکومت کے نام پر بدترین مذہبی تھیوکریسی قائم کیے رکھی۔ اس نے صوفی سرمد کو پھانسی دلوائی۔ وہ شیعوں کی بھی مخالف تھا۔

تاریخ دیکھتے ہیں

پہلے الزام پر بات کرتے ہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر واقعتاً ایک کٹر مذہبی انسان تھا' لیکن ہندوؤں سے دشمنی کا الزام ایچ ایلیٹ، ڈاؤسن، ... جیسے متعصب گورے تاریخ دانوں اور پھر ان کے پیروکار برصغیر کے مؤرخین کی کارستانی ہے، جن میں سر جادوناتھ سرکار، آر سی مجمدار، ایشوری پرشاد وغیرہ شامل ہیں۔ مقصد ہندو مسلم دشمنی کی آڑ میں اپنا اقتدار مضبوط کرنا تھا۔ بعد میں ہندوؤں نے اسے اپنی محکومیت اور مظلومیت کی وجہ سمجھ کر خوب اچھالا۔

تاریخی حقائق عالمگیر کی ہندو اور مندر دشمنی کے خلاف

1۔ اورنگ زیب عالمگیر کا صوبہ دار اور مرہٹوں کے خلاف جنگوں کا چیف کوئی اور نہیں' ایک ہندو راجپوت جے سنگھ تھا۔

2۔ عالمگیر کے دور حکومت میں اس کی فوج میں ہندو عہدے داران کی تعداد شاہجہاں کے علاوہ، تمام مغل بادشاہوں سے زیادہ حتیٰ کہ روشن خیال ترین حکمران اکبر سے بھی زیادہ تھی۔ سات ہزاری، پانچ ہزاری سرداروں سمیت عالمگیر کی مغل فوج میں 104 ہندو سردار تھے۔ شاہجہاں کے ہاں 227 اکبر کے 46 ہندو سردار تھے۔

3۔ ''جرنل آف دی رائل ایشیاٹک آف بنگال'' 1911 میں تفصیل سے درج ہے کہ بنارس میں اورنگ زیب عالمگیر کے جاری کردہ فرمان کے مطابق ایک ہندو کی شکایت پر کہ ایک مسلمان مندر توڑ کر باغ بنانا چاہتا ہے، مغل بادشاہ نے 16 مارچ 1659ء کو ایک فرمان جاری کیا کہ ہندو کی زمین اسے واپس دلائی جائے۔ اراضی کے متعلق ایسے کئی فرامین تاریخ میں درج ہیں۔

مرہٹوں پر فتح پانے کے بعد ایک مغل افسر محرم خان نے غیر مسلموں کو غیر معتبر جانتے ہوئے انہیں عہدوں سے ہٹانے کی درخواست کی، جس پر عالمگیر نے جواب دیا۔ ''حکومت کے امور سے مذہب کا تعلق نہیں ہوتا۔ اگرچہ تمہارا مشورہ مان لیا جائے' تو تمام ماتحت ہندو راجاؤں اور ان کے ماتحت لوگوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا پڑے گا' جو میں نہیں کر سکتا۔ اہل افسران کو عہدے سے معزول کرنے کی حمایت سمجھ دار لوگ نہیں کرتے''۔

4۔ بی این پانڈے جو الہ آباد میونسپلٹی کے چیئرمین (53-1948) رہے' ان کے سامنے ایک اراضی کا جھگڑا آیا۔ یہ زمین سومیشور ناتھ مہادیو مندر کو دان' یعنی عطاء کی گئی تھی۔ مہنت کے مرنے کے بعد دو شخص اس کے دعوے دار تھے، جن میں سے ایک نے اپنے حق میں اپنے خاندان کے پاس محفوظ اورنگ زیب کے کاغذات پیش کیے۔ ان کاغذات کی رو سے عالمگیر نے مندر کی ایک بڑی اراضی اور نقد اس شرط پر دان کی تھی کہ اس مندر سے حاصل شدہ آمدنی کو دیوتا پر چڑھاوے اور پوجا کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

5۔ اورنگ عالمگیر نے الہ آباد کے سومیشور ناتھ مہادیو مندر، بنارس کے کاشی وشوناتھ مندر، چترکوٹ کے بالاجی مندر، گوہاٹی کے اومانند مندر، شترونجی میں جین مندر اور دیگر بے شمار چھوٹے مندروں کے لئے جاگیریں وقف کیں۔ 'گیا' کے مندر کو اس نے زمین وقف کی۔ گجرات کے ششترانگ سرور مندر کے گندے پانی کو صاف کرنے کا سارا خرچہ سرکاری خزانے سے ادا ہوا۔

جنوبی ہندوستان میں واقع برہم پوری میں تعینات ایک افسر میر حسن نے اورنگ زیب عالمگیر کو لکھا۔ ''اسلام پوری کا قلعہ کمزور ہے، آپ عنقریب وہاں پہنچیں، قلعہ مرمت چاہتا ہے، آپ کا کیا حکم ہے؟۔ عالمگیر نے جواب لکھا'' اسلام پوری کا لفظ لکھ کر تم نے مناسب نہیں کیا۔ اس کا پرانا نام برہم پوری تھا' تمہیں وہی لکھنا چاہئے تھا۔ جسم کا قلعہ تو اس سے بھی کمزور ہے' کبھی اس کا بھی کچھ علاج سوچا''۔

6۔ مرہٹوں پر فتح پانے کے بعد ایک مغل افسر محرم خان نے غیر مسلموں کو غیر معتبر جانتے ہوئے انہیں عہدوں سے ہٹانے کی درخواست کی، جس پر عالمگیر نے جواب دیا۔ ''حکومت کے امور سے مذہب کا تعلق نہیں ہوتا۔ اگرچہ تمہارا مشورہ مان لیا جائے' تو تمام ماتحت ہندو راجاؤں اور ان کے ماتحت لوگوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا پڑے گا' جو میں نہیں کر سکتا۔ اہل افسران کو عہدے سے معزول کرنے کی حمایت سمجھ دار لوگ نہیں کرتے''۔

7۔ جنوبی ہندوستان میں واقع برہم پوری میں تعینات ایک افسر میر حسن نے اورنگ زیب عالمگیر کو لکھا۔ ''اسلام پوری کا قلعہ کمزور ہے، آپ عنقریب وہاں پہنچیں، قلعہ مرمت چاہتا ہے، آپ کا کیا حکم ہے؟۔ عالمگیر نے جواب لکھا'' اسلام پوری کا لفظ لکھ کر تم نے مناسب نہیں کیا۔ اس کا پرانا نام برہم پوری تھا' تمہیں وہی لکھنا چاہئے تھا۔ جسم کا قلعہ تو اس سے بھی کمزور ہے' کبھی اس کا بھی کچھ علاج سوچا''۔

8۔ 1659ء میں عالمگیر نے سکوں پر کلمہ کھدوانا بند کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ کیونکہ یہ سکے ہندو، مسلمان اور دیگر مذاہب کے لوگ استعمال کرتے ہیں' تو ان کی بناوٹ عمومی ہونی چاہئے۔

9۔ شاہجہاں نے بندھیرا کے راجہ اندرامن کو حکم کی تعمیل نہ کرنے پر قید کر لیا۔ جب اورنگ زیب اس علاقے' یعنی دکن کا صوبہ دار ہوا' تو اندرامن کی رہائی کے شاہجہاں سے التماس کیا۔ شاہجہاں نے لکھا کہ اندرامن نے اسے پے در پے تکلیف پہنچائی' اس لئے اسے صرف اسی صورت میں رہائی مل سکتی ہے کہ وہ اسلام قبول کر لے۔ اورنگ زیب نے اس تجویز کی سختی سے مخالفت کی اور لکھا کہ ایسا کرنا تنگ نظری اور ناجائز ہوگا۔ ہمیں اسی کی شرائط کے مطابق اسے رہا کرنا چاہئے۔

اس کے علاوہ دیگر کئی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں' جو اورنگ زیب عالمگیر کو ایک روادار بادشاہ ثابت کرتی ہیں' ساتھ ہی ہندو دشمنی کی متھ کو بھی بے نقاب کرتی ہیں۔ دکن میں وہ برسوں رہا۔ بنگال میں رہا۔ الور رہا۔ وہاں تو کسی مندر کو گرانے کی خبر نہیں ملتی' صرف بنارس اور متھرا میں ہی کیوں؟

اب کچھ جزیہ کی بات ہو جائے

سب سے پہلے تو یہ نوٹ کر لیں کہ اورنگ زیب نے اپنے اقتدار کے 22 برس کے بعد غیر مسلموں پر جزیہ لگایا اور اپنی وفات سے قبل ختم کر دیا۔ اس کی بنیادی وجہ اس کا بغاوتوں کی سرکشی کے لئے مسلسل حالت جنگ میں رہنا تھا۔ جزیہ فقہ حنفیہ کے مطابق اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کی حفاظت کے لئے ٹیکس ہوتا ہے۔ خیر یہ بھی یاد رہے کہ تمام سرکاری ملازمین، غریب، عورتوں، بوڑھوں، مساکین، قحط اور خشک سالی سے متاثرہ لوگوں پر جزیہ معاف تھا۔

تاریخی تعصب

اب تعصب ملاحظہ فرمائیں۔ نام نہاد لبرل سیکولر تاریخ دان مہاراجہ اشوک کی ایسے تعریفیں کرتے ہیں' جیسے وہ پیغمبر تھا' حالانکہ بدھ ماخذ کے مطابق اس نے اپنے 100 بھائیوں کا قتل کروایا تھا (تعداد میں مبالغہ لگتا ہے)۔ ساتھ ہی تاریخ میں درج ہے کہ اس نے ایک دنیاوی جہنم ٹائپ جگہ بنائی تھی' جہاں لوگوں کو سزا دی جاتی تھی۔ بدھ مت کی ترغیب کے لئے اس نے بزور طاقت لوگوں کو بدھ مت کا پیروکار بنوایا۔ اپنے حرم کی سینکڑوں عورتوں کو جلوا دیا' کیونکہ کسی ایک نے اسے بدصورت کہہ دیا تھا۔ یقیناً اشوک کے اچھے کام بھی ہیں۔ وہ ہندوستان کو منظم کرنے والا پہلا بادشاہ تھا' لیکن یہ موضوع پھر کبھی' فی الحال توجہ عالمگیر کیلئے تعصب اور نفرت پر مرکوز رکھیں۔ مزید برآں سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کشمیر کے ایک ہندو مہاراجہ ہرش نے مندر لوٹنے کا ایک محکمہ قائم کیا تھا۔ وہ مندر سے لوٹی گئی دولت کو لٹیروں سے آدھا آدھا تقسیم کر لیتا تھا۔ کبھی آپ نے ان کا ذکر سنا؟ اورنگ زیب نے جتنے مندروں پر حملے کئے' وہ سب شاہجہاں کے دور میں پابندی کا شکار تھے۔ وہاں مورتیاں سجانے اور اس کی آڑ میں دولت اکٹھا کرنے پر پابندیاں تھی۔ جب لوگ ریاست کے خلاف بغاوت کے لئے کچھ مندروں کو استعمال میں لائے' تو عالمگیر نے ایکشن لیا۔ اس کا ہندو دشمنی سے کوئی واسطہ نہیں' کیونکہ عالمگیر نے اسی بنیاد پر گولکنڈہ کی شاہی مسجد بھی منہدم کروا دی تھی' کیونکہ وہاں بھی ریاست کے خلاف بغاوت ہو رہی تھی۔

مغل سلطنت کا زوال کیا اورنگ زیب کی وجہ سے ہوا؟

اب دوسرے الزام پر آتے ہیں۔ کسی ایک شخص پر مغل یا ہندوستانی بادشاہت کا زوال تھوپنا کسی طور بھی انصاف نہیں ہو سکتا۔ انگریزوں نے اورنگ زیب کی وفات کے پچاس برس بعد بنگال پر قبضہ کیا تھا۔ کیا یہ اورنگ زیب کا قصور تھا؟۔ اورنگ زیب نے سب سے پہلے یورپی تاجروں پر چنگی ٹیکس کی رقم میں اضافہ کیا تھا' جو اس بات کا ثبوت تھا کہ اسے ان کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ پر تشویش تھی۔ کیا اس بصیرت کا کسی نے احساس کیا؟ کیا اورنگ زیب کے جانشینوں کی نالائقی کا الزام اورنگ زیب کو دیا جانا چاہئے؟ ہاں موجودہ سسٹم میں گھرے معاشروں میں آپ ایسا الزام کسی حد تک کسی بھی جانے والے رہنما کو دے سکتے ہیں' مگر اس دور میں ایسا ممکن نہیں تھا۔ آج امریکا میں بھی ری پبلکن یا ڈیموکریٹ صدر پچھلے صدور کا بوجھ نہیں اٹھاتا' نہ گلے کی غلطیوں کا ذمہ دار پہلے صدور بھگتتے ہیں۔ یوں بھی اورنگ زیب پر الزام دھرنے والے بھول جاتے ہیں کہ اس کے جانشین بہادر شاہ اول کے دور میں مرہٹوں اور سکھوں کی بغاوت حل کر لی گئی تھی۔ تنزلی دراصل تعلیم و ٹیکنالوجی کے فقدان'

متعصب، ہندو دشمن، قاتل حکمران

تاریخ کی عدالت میں

پر لگائے گئے الزامات کی وکالت

خاص کر اسلحہ سازی میں جیسے جدید توپ خانے اور گولہ بارود کی قلت یا پسماندہ اسلحہ ہونا کی وجہ سے بڑھی۔ اورنگ زیب کے بعد ریاستوں کے محصولات اکٹھا کرنے کا فیصلہ بولیوں کے ذریعے ہونے لگا، یوں عام عوام پر لگان کا بوجھ بڑھنے لگا۔ امراء عیش پرستی میں مبتلاء اور بصیرت سے عاری تھے۔ اورنگ زیب کے دور کی اقتصادی حالت دیکھیں، تو 1700ء میں ہندوستان دنیا کی سب سے بڑی معیشت تھا۔ سالانہ آمدن 450 ملین ڈالر تھی جو دوسرے نمبر پر لوئی دا فرانس سے دوگنی تھی۔ اورنگ زیب کی حکومت چالیس لاکھ اسکوائر کلو میٹر تک پھیل چکی ہے تھی۔ دنیا کی جی ڈی پی کا ایک چوتھائی ہندوستان میں پیدا ہورہا تھا، لیکن ہندوستان یورپ کی بڑھتی ہوئی صنعتی ترقی کا مقابلہ نہیں کر پایا۔ سولہویں سترہویں صدیاں یورپ کے عروج کا آغاز تھا۔ ہندوستان اس لحاظ سے اس وقت بھی پسماندہ تھا اور آج بھی پسماندہ ہے۔ اورنگ زیب پر یہ الزام درست ہے کہ دیگر مغل بادشاہوں کی طرح وہ بھی مستقبل کا درست اندازہ نہ کرسکا۔ اس کی اولین اور آخری ترجیح اپنے اقتدار کی طوالت اور استحکام تھا، جس میں وہ کامیاب رہا۔ اورنگ زیب توسیع پسند حکمران تھا، اس وجہ سے اسے زیادہ بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مرہٹوں کی لوٹ مار کی گواہی تو ہندو مؤرخین بھی دیتے ہیں۔ انہوں نے نہ ہندوؤں کو بخشا، نہ مسلمانوں کو۔ سکھوں نے اپنے آپ کو سچا بادشاہ کہہ کر منظم کیا تو اورنگ زیب کو ان کی سرکوبی کرنے کے لئے نکلنا پڑا۔ گولکنڈہ، دیجاپور کے مسلمان حکمرانوں کے خلاف جنگ بھی اقتدار کے لئے تھی۔

اورنگ زیب اول و آخر کٹر بادشاہ تھا

اورنگ زیب پر اپنے باپ کو قید کرنے اور اپنے بھائی کو قتل کروانے پر شدید تنقید ہوتی ہے۔ ساتھ ہی سرمد کاشانی جو کچھ حلقوں میں صوفی تصور کیا جاتا ہے ان کی موت پر بھی مغل بادشاہ کو مطعون کیا جاتا ہے۔

کہانی یہ ہے کہ اقتدار کسی باپ بھائی کو نہیں جانتا وہ بھی اس صورت میں کہ باپ اور بھائی بھی جانی دشمن بن چکے ہوں۔ اکبر کی اولاد میں خونی جنگ ہوئی، جس کے بعد جہانگیر اپنے پانچ بھائیوں کو قتل کرکے اقتدار پانے میں کامیاب رہا۔ جہانگیر کے چار بیٹے آپس میں برسوں لڑے اور آخرکار شاہجہاں نے سب کو شکست دیکر مغل سلطنت سر پر سجائی۔ یہی کچھ اورنگ زیب عالمگیر نے کیا۔ اس نے اقتدار کی جنگ میں اپنے بھائیوں کو مات دی۔

پھر آخر اورنگ زیب پر اتنا واویلا کیوں؟

اورنگ زیب شاہجہاں کی ساتویں اولاد تھا۔ اقتدار کی لڑائی سے قبل اگر تمام بھائیوں کا تقابل کیا جائے، تو تجربے، صلاحیت، کامیابیوں، جرأت اور حکمت عملی کے لحاظ سے اورنگ زیب سب سے بڑھ کر تھا۔ وہ گجرات، دکن، بلخ، بدخشاں، ملتان اور سندھ کا کامیاب صوبے دار رہا۔ دکن میں اس کی سالانہ بچت پچاس ہزار تھی، جو سب سے زیادہ تھی۔ بلخ اس نے فتح کیا۔ اس کے وضع کئے گئے مال گزاری ضابطہ کو انگریزوں کی جانب سے سر کا خطاب لینے والے مؤرخ جادو ناتھ سرکار نے بھی تاریخ ساز قرار دیا تھا۔ اس کے دور میں امن و امان اور رعایا کے حالات کہیں بہتر تھے۔ یہ اس کے مخالف مؤرخین بھی مانتے ہیں، جو کہ بھاری اکثریت میں ہیں۔

دوسری جانب اس کے بھائی داراشکوہ، مراد اور شجاع

اورنگ زیب نے جس طرح اور جس انداز میں اپنے بھائیوں داراشکوہ اور مراد کا قتل کروایا، وہ تمام تر دلائل دینے کے باوجود ایک مسلم حکمران کے شایان شان نہیں تھا۔ خاص کر مراد جیسے بہادر بھائی کو سازش کرکے شراب پلا کر قتل کروانا بزدلانہ حرکت تھی۔ گو مراد خود قرآن پر معاہدہ کرکے اس سے پھسل چکا تھا اور سازشوں میں مصروف تھا، مگر اورنگ زیب کی یہ رکیک حرکت اس کے اقتدار کو تو مضبوط کر گئی، مگر اس کے اخلاقی معیار پر سوالات چھوڑ گئی۔ دارا کو بھی کہیں دور جلاوطن کیا جاسکتا تھا، مگر یہ معیار ہم پیغمبرانہ صفات والے حکمرانوں سے توقع کرسکتے ہیں۔

اس تجربے، نظم و ضبط اور جنگی صلاحیت سے محروم رہے۔ داراشکوہ، جو شاہجہاں کا لاڈلا تھا، وہ ہمیشہ باپ کے سائے تلے آگرہ اور دہلی ہی مقیم رہا۔ اسی بناء پر فوج اور صوبے داروں سے تعلق، عوام سے رابطے میں کمی اور آدمی کی صلاحیت کو پہچاننے کا اس میں شدید فقدان تھا۔ جب ایک بار شاہجہاں نے داراشکوہ کو قندھار کی مہم پر بھیجا، جہاں اورنگ زیب بھی کامیاب نہ ہوسکا تھا، تو داراشکوہ ناکام تو خیر رہا ہی، وہاں اپنی توہم پرستی اور جہالت کے سبب مذاق بنا رہا۔

داراشکوہ قندھار فتح کرنے میں مدد کے لئے کئی عاملوں اور جادوگروں کو ساتھ لیکر گیا تھا، جو اس سے بھاری رقوم اینٹھتے رہے، مگر کام کسی کا نہ کیا۔ اندرگری نامی عامل داراشکوہ سے یہ کہہ کر خوب مال بٹورتا رہا کہ وہ چالیس مؤکلوں کی مدد سے قندھار فتح کرے گا۔ ایک رات وہ ایک بھینس، ایک مینڈھا، پانچ مرغ اور کافی روپیہ پیسہ لیکر کسی پرسکون مقام پر عمل کرنے گیا اور پھر واپس نہ لوٹا اور نہ ہی قندھار فتح ہوا۔

دراصل داراشکوہ بادشاہ بننے کی اہلیت سے محروم تھا۔ وہ علمی، فکری مباحث، سہل پسندی، موسیقی کا رسیا تھا۔ اکبر ثانی بننے کی اس نے ناکام کوشش کی۔

اورنگ زیب گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوکر سخت جان ہوچکا تھا، لیکن شاہجہاں نے ہر صورت اپنے لاڈلے داراشکوہ کو اقتدار دینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ تاریخ اپنے آپ کو دوہرا رہی تھی اور تاریخ نے اورنگ زیب کی وفات کے بعد بھی اسی طرح سے پلٹ کر آنا تھا۔

خونی تاج کی چکا چوند اپنے جوبن پر

1۔ 16 ستمبر 1657ء کو شاہجہاں بیمار پڑا۔ 26 اکتوبر کو اسے آگرہ لایا گیا۔

2۔ باپ کے نام پر داراشکوہ اقتدار سنبھال چکا تھا۔ آتے ہی اس نے اورنگ زیب کے معتمد ساتھی میر جملہ کو فارغ کرکے اپنے عزائم کا اعلان کردیا۔

3۔ اس کے علاوہ دارا نے اورنگ زیب کو میسر فوج کو واپس بلانے کا حکم دے دیا۔

4۔ اورنگ زیب کے سرکاری وکیل کو قید کرکے اس کا گھر اور عالمگیر سمیت تمام شہزادوں کی جاگیر ضبط کرادی۔

5۔ تینوں شہزادوں کے وکلاء اور معتمدین سے رازداری کا مچلکہ لیا۔ بنگال، گجرات اور دکن کے راستے بند کردیئے، تاکہ مسافروں کے ذریعہ معلومات نہ پہنچ سکیں اور آخر میں تینوں کی جانب فوج بھیج دی، لیکن اس کے بھائی اپنی خاندانی روایت برقرار رکھتے ہوئے آسانی سے ہار ماننے کو تیار نہ تھے۔

سب سے پہلے شجاع نے اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کرکے اپنے صوبے بنگال سے دہلی پر حملے کے لئے تیاری پکڑی۔ ادھر مراد نے اپنے صوبے گجرات کی خودمختاری کا اعلان کردیا۔ سب سے آخر میں اورنگ زیب عالمگیر نے مراد کے ساتھ اتحاد کرکے دہلی پر حملے کے لئے اکٹھا کیا۔

سامو گڑھ کی جنگ نے اورنگ زیب کے اقتدار کی راہ ہموار کردی تھی۔

شاہجہاں اور مراد کے اورنگ زیب سے خطوط کا تبادلہ اورنگ زیب کی وفات کے دس برس بعد میں مرتب ہونے والی کتاب ''فیاض القوانین'' میں درج ہے۔ ان خطوط سے واضح پتہ چلتا ہے کہ اورنگ زیب بار ہا مراد کو جنگی اقدام سے منع کرتا رہا۔ شاہجہاں کو قید کرنے سے قبل اور بعدازاں بھی اورنگ زیب کا رویہ اپنے باپ سے مؤدبانہ رہا۔ ظاہر ہے اتنا مؤدبانہ تو نہیں تھا کہ اقتدار ان کی مرضی کے مطابق تقسیم کرلیتا۔

اورنگ زیب نے جس طرح اور جس انداز میں اپنے بھائیوں داراشکوہ اور مراد کا قتل کروایا، وہ تمام تر دلائل دینے کے باوجود ایک مسلم حکمران کے شایان شان نہیں تھا۔ خاص کر مراد جیسے بہادر بھائی کو سازش کرکے شراب پلا کر قتل کروانا بزدلانہ حرکت تھی۔ گو مراد خود قرآن پر معاہدہ کرکے اس سے پھسل چکا تھا اور سازشوں میں مصروف تھا، مگر اورنگ زیب کی یہ رکیک حرکت اس کے اقتدار کو تو مضبوط کرگئی، مگر اس کے اخلاقی معیار پر سوالات چھوڑ گئی۔ دارا کو بھی کہیں دور جلاوطن کیا جاسکتا تھا، مگر یہ معیار ہم پیغمبرانہ صفات والے حکمرانوں سے توقع کرسکتے ہیں۔

شاہجہاں اور مراد کے اورنگ زیب سے خطوط کا تبادلہ اورنگ زیب کی وفات کے دس برس بعد میں مرتب ہونے والی کتاب ''فیاض القوانین'' میں درج ہے۔ ان خطوط سے واضح پتہ چلتا ہے کہ اورنگ زیب بار ہا مراد کو جنگی اقدام سے منع کرتا رہا۔ شاہجہاں کو قید کرنے سے قبل اور بعدازاں بھی اورنگ زیب کا رویہ اپنے باپ سے مؤدبانہ رہا۔ ظاہر ہے اتنا مؤدبانہ تو نہیں تھا کہ اقتدار ان کی مرضی کے مطابق تقسیم کرلیتا۔

ادھر شاہجہاں نے مراد کو لکھ بھیجا کہ اگر تم اورنگ زیب کو قتل کردو، تو تخت تمہیں دیدیا جائے گا۔ باپ اپنے بیٹے کا جانی دشمن ہوچکا تھا، کیونکہ اسے علم تھا کہ اورنگ زیب کے پاس تجربہ کار فوج اور کئی جنگوں کا تجربہ ہے۔ 5 فروری 1658ء کو اورنگ زیب تاج پانے کی مہم پر روانہ ہوا۔ راستے میں مراد اور شجاع کی افواج بھی مل گئی تھیں۔ مراد اور اورنگ زیب نے قرآن پر معاہدہ کیا، جس کی رو سے پنجاب، افغانستان، کشمیر اور سندھ مراد کے حوالے کرنے اور ایک تہائی مال غنیمت اس کی ملکیت ہونے کا فیصلہ ہوا۔ باقی سلطنت اور مال غنیمت اورنگ زیب کو ملنا تھا۔ پہلے جے سنگھ کو دارا نے مقابلے پر بھیجا، جو ناکام رہا۔ پھر داراشکوہ میدان میں اترا اور شکست کھائی۔

دہلی کی گلیوں میں دارا کے لئے آہ و بکا ایک دھچکے سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتی، کیونکہ وہ دہلی میں ہی زیادہ تر مقیم رہا اور اس کی مزاج میں رواداری یقیناً موجود تھی، اس لئے عوام کو دارا سے ہمدردی ضرور تھی مگر دارا کا لالچ، نااہلی اور جلدبازی اسے لے ڈوبی۔

سرمد کاشانی جو آرمینیا کا یہودی تھا، جو بعد میں مسلمان ہوا اور بعدازاں اپنی ایک رباعی میں اس نے اپنے ہندو ہونے کا اعلان کردیا۔ برصغیر میں تجارت کی غرض سے آیا اور ایک ہندو بچہ پر عاشق ہوگیا۔

(باقی صفحہ 29 پر)

اورنگ زیب ہندوؤں کا دشمن یا ہندوستان کا دوست؟

اورنگ زیب ہندو مورخین کی نظر میں

تحریر: خورشید مصطفیٰ رضوی

یونیورسٹی

گرانٹ کمیشن کے سابق چیئرمین اور معروف تاریخ داں پروفیسر ستیش چندرا نے بمقام لکھنؤ ایک لیکچر (اپریل 1988ء) میں کہا کہ "کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اورنگ زیب نے راجپوتوں سے بگاڑ کر لیا اور ہندوؤں کو اونچے منصب دینا بند کر دیا۔ جدید تحقیق اس کو غلط ثابت کرتی ہے۔ اورنگ زیب کے دور میں ہندو منصب داروں کی تعداد دیگر قوموں کے منصب داروں سے کم ہونے کے بجائے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔ اکبر کے دور میں ہندو منصب داروں کی تعداد 16 فیصد تھی۔ شاہجہاں کے 24 فیصد اورنگ زیب کے 34 فیصد۔ ایسی بات ہے جسے آج بہت کم لوگ جانتے ہیں یا جاننا چاہتے ہیں۔ کہیں کہیں صوبوں اور پرگنوں میں وہاں کے قاضیوں نے پرانے مندر توڑنے یا ان کی مرمت میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں اورنگ زیب نے انہیں سخت تاکید کی کہ ایسے اقدام سے گریز کریں۔ بنارس اور ورنداون وغیرہ کے برہمنوں کے نام جو فرمان جاری کئے وہ آج بھی موجود ہیں، جن میں وہاں کے حاکموں کو مندروں کی مرمت میں رکاوٹ ڈالنے پر خبردار کیا گیا ہے۔ (قومی آواز 17، اپریل 1988ء)

مثال کے طور پر سندھ کھید کے جادوراؤ کا خاندان شاہجہاں کے عہد میں مغل فوج میں داخل ہوا اور کئی نسلوں تک مغلوں کا وفادار رہا۔ کانہوجی شر کے اور اس کے لڑکوں نے مغل دربار میں پناہ لی اور شہنشاہ نے اعلیٰ عہدے دیئے۔ ان کے علاوہ متعدد نام ہیں، جیسے رام چندر تھانے دار بہرجی پاندھرے، نکوجی، ستواجی دفلے باجی چاول، دفلے امرت راؤ اچل جی (شیواجی کا داماد) مادھاجی نرائین (شیواجی کا چچازاد بھائی) رائے بھان (شیواجی کا بھتیجہ) وغیرہ۔ علاوہ ازیں ماؤلی اور مرہٹوں کے پہاڑی قبیلے اورنگ زیب کے ساتھ تھے، جن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے، جادوناتھ سرکار نے ان کا ذکر "اورنگ زیب کی طرف نامی گرامی مرہٹے" کے عنوان سے کیا ہے (جلد 5 ص 207) شیواجی کے عزیز واقارب کثیر تعداد میں اورنگ زیب کے ساتھ رہے ہیں، اسی سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اورنگ زیب سے شیواجی کی مذہبی جنگ نہیں تھی بلکہ ایک محدود علاقہ پر اقتدار حاصل کرنے کی خواہش یا علاقائی خود مختاری کی کوشش تھی۔

صدر جمہوریہ راجندر پرشاد کی تحریر

ڈاکٹر راجندر پرشاد نے اپنی کتاب (تقسیم ہند) کے پہلے باب میں لکھا ہے کہ "عملی طور پر ایسی بہت سی مثالیں ملیں گی کہ مسلمان بادشاہوں نے مندروں اور مٹھوں کیلئے جاگیریں وقف کیں۔ عبادت گزار اور اہل علم وکمال پنڈتوں کو جاگیریں دیں۔ جنوبی ہند کی تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ عادل شاہی، قطب شاہی بادشاہوں نے برہمنوں کیلئے جائیدادیں وقف کیں۔ بودھ گیا کے مہنت کی زمینداری کی آمدنی لاکھوں روپے ہے۔ یہ مغل بادشاہ محمد شاہ کا عطیہ ہے۔

(1) مہاراجہ دربھنگہ کا علاقہ سب سے بڑی زمینداری ہے، جو کہ اکبر نے ان کے مورث اعلیٰ کو عطا کیا تھا، جو علم وفضل میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ شیر شاہ نے ہندو رعایا کی تعلیم کے لئے جائیدادیں وقف کیں۔ حکمراں زین العابدین امرناتھ اور شاروادیوی کے مندروں میں گیا، تو وہاں یاتریوں کے لئے مکان بنوائے۔ نجیب آباد کے نواب نے 1780ء ہری دوار کے یاتریوں کیلئے مکانات بنوائے جو آج تک موجود ہیں۔ 1167ء میں احمد شاہ نے ایک سند عطا کی تھی، جو ستیل داس بیراگی کو بھوج اور پوجا کے لئے دی گئی جاگیر وغیرہ کی ہے۔ الہ آباد میں دو فرمان مہیشور ناتھ مندر کے نام اورنگ زیب کے ہیں۔ اورنگ زیب نے جگجیون کے لڑکے گردھر (ساکن بستی ضلع بنارس) جدو مصارا ساکن مہیش پور پرگنہ حویلی اور پنڈت بلبھد امصرا کو بھی جاگیریں دیں۔ یہ سب مندروں کے پجاری تھے۔ اورنگ زیب نے ملتان کے مندر قوت لامائی کیلئے مشرا چکپان داس کو سو روپے کا وظیفہ دیا۔ یہ مندر اب تک موجود ہے۔ اورنگ زیب نے بہت سے لائق ہندوؤں کیلئے شاہجہاں کے پاس سفارش لکھی۔ ایسی بہت مثالیں رقعات عالمگیری اور آداب عالمگیری میں مل سکتی ہیں۔

> شیواجی کے عزیز واقارب کثیر تعداد میں اورنگ زیب کے ساتھ رہے ہیں، اسی سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اورنگ زیب سے شیواجی کی مذہبی جنگ نہیں تھی بلکہ ایک محدود علاقہ پر اقتدار حاصل کرنے کی خواہش یا علاقائی خود مختاری کی کوشش تھی۔

پوجاپاٹ کی آزادی

جگن چندر نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ برنیئر کے سفرنامے (در عہد اورنگ زیب) سے یہ شہادت ملتی ہے کہ سورج گہن کے موقع پر اشنان وغیرہ ہوتا تھا۔ اس نے بیان کیا ہے کہ میں نے دریا کے دونوں کناروں پر تین میل تک ہندو یاتریوں کو دیکھا اور مغل بادشاہ ایک مسلمان ہے لیکن اس نے اس کی اجازت دے رکھی ہے۔ اس نے یہ بھی تعجب سے ذکر کیا ہے کہ کچھ برہمن شہنشاہ اورنگ زیب کے لئے تحفے لے کر آئے اور پوجا کی خبر دی، تو اس نے ان کو خلعت اور ہاتھی عطا کئے (سفرنامہ برنیئر ج 1 ص 301-304) پوری کے جگن ناتھ مندر کی رتھ یاترا کی تفصیل بھی اس نے لکھی ہے (صباح الدین عبدالرحمٰن: مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری 170)

پروفیسر سری رام شرما

پروفیسر سری رام شرما تاریخ پر کئی کتابیں لکھ چکے ہیں۔ انہوں نے رسالہ اسلامک کلچر حیدرآباد بابت اکتوبر 1939ء میں ایک مضمون لکھا کہ "اس حقیقت کو ہم کبھی نظر انداز نہیں کر سکتے کہ مغلوں نے اپنی رعایا کو بڑی حد تک آزاد چھوڑ دیا تھا۔ یہ تنہا مغلوں ہی کی ایک مثال ہے جنہوں نے اپنی رعایا کو مذہب اور دین کے معاملہ میں بالکل آزاد چھوڑ دیا تھا۔

پروفیسر رام پرشاد کھوسلہ اور پی سرن

تاریخ ہند پر اپنی کتاب (Mughal kingship and nobility 1934) میں پروفیسر رام پرشاد کھوسلہ (پٹنہ یونیورسٹی) لکھتے ہیں کہ مغل حکومت اپنی شان وشوکت کے ساتھ اس زمانے کیلئے بالکل مناسب تھی اور اپنی خوبیوں ہی کی وجہ سے یہ پرشکوہ حکومت طویل مدت تک قائم رہی۔

فطری طور پر ان کی حکومت مطلق العنان ضرور تھی، لیکن عملی طور پر بڑی ہی فیض رساں تھی۔ مغل حکمران عدل وانصاف کو ایک مقدس فرض سمجھتے تھے۔ عام آدمی کو بھی حق حاصل تھا کہ براہ راست بادشاہ کی خدمت میں پہنچ کر انصاف کا طلب گار ہو گو اس حق کے استعمال کا موقع کم آتا تھا۔ مغلوں کے عہد میں مذہبی جنگ کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ان کی تاریخ تنگ نظری اور فرقہ وارانہ تنگی سے تقریباً پاک ہے۔ اسی طرح پروفیسر پرماتما سرن نے بھی اپنی کتاب، پرونشیل گورنمنٹ آف مغل میں مغل دور کے ایڈمنسٹریشن، نظام عدل، رعایا نوازی اور رواداری کے بارے میں تعریف کے ساتھ اعتراف کیا ہے، جو بخوف طوالت نظر انداز کرنا پڑ رہا ہے۔

(باقی صفحہ 29 پر)

> ڈاکٹر راجندر پرشاد نے اپنی کتاب (تقسیم ہند) کے پہلے باب میں لکھا ہے کہ "عملی طور پر ایسی بہت سی مثالیں ملیں گی کہ مسلمان بادشاہوں نے مندروں اور مٹھوں کیلئے جاگیریں وقف کیں۔ عبادت گزار اور اہل علم وکمال پنڈتوں کو جاگیریں دیں۔ جنوبی ہند کی تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ عادل شاہی، قطب شاہی بادشاہوں نے برہمنوں کیلئے جائیدادیں وقف کیں۔ بودھ گیا کے مہنت کی زمینداری کی آمدنی لاکھوں روپے ہے۔ یہ مغل بادشاہ محمد شاہ کا عطیہ ہے۔

اورنگ زیب نے عدالتی نظام کی خرابیاں دور کرنے کیلئے اعلیٰ ترین عدالت ''دیوان مظالم'' کی ازسرنو تشکیل کی۔ وہ ہر بدھ کو دیوان مظالم کی صدارت خود کرتا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کے رویے میں نرمی آ گئی۔ اس نے موت کی سزا پانے والے مجرم کے جسم میں میخیں گاڑنے کی ممانعت کردی تھی۔ وہ بیشتر صورتوں میں موت کی سزا کو تاحیات سزا میں بدل دیتا تھا۔

انصاف جس کی حکمرانی کی بنیاد تھا

اورنگ زیب نے قائم کیا جدید نظام عدالت جو آج بھی قائم و دائم ہے۔

ڈاکٹر جاوید اقبال کا چشم کشا مضمون

شہنشاہ اورنگ زیب صرف منافرت اور مظالم کے پروپیگنڈہ کا شکار ہوتے رہے۔ انگریزوں کی لکھی تاریخ اور پھر بھگوا ذہنیت کے پرچار نے ہندوستان میں اورنگ زیب کو ایک خونخوار بادشاہ بنا دیا، جس نے مندر توڑے، ہندوؤں کو نشانہ بنایا اور مذہب کے نام پر کسی کو نہیں بخشا، مگر ایسا نہیں ہے۔ یہ تصویر کا وہ رخ ہے، جو ہمیں دکھایا جارہا ہے اور اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے، حالانکہ تاریخ اور حقائق کچھ اور ہیں، جسے ظالم کہا جاتا ہے، اس کا نظام انصاف آج بھی مثال ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ رائج بھی ہے، جس پر عمل بھی ہورہا ہے۔

اس کے عہد میں فتاویٰ عالمگیری اور عدالتی طریق کار کیلئے ضابطے مرتب ہوئے۔ اس نے قاضی کے حکم پر پولیس کی حراست میں ملزم کے جسمانی ریمانڈ کا طریقہ جاری کیا۔ پولیس قانونی شہادت کے بغیر کسی شخص کو گرفتار نہیں کرسکتی تھی۔ فردِ جرم عائد ہونے تک اسے حوالات یا قید خانے میں نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ جو فوجداری مقدمات قاضیوں کے ہاں زیر سماعت ہوتے تھے، ان کے بارے میں حکم جاری ہوتا تھا کہ جلد از جلد نمٹائے جائیں۔ قاضی کے روبرو اپنے اپنے مقدمہ کی وکالت کیلئے فریقین کو اپنے اپنے وکیل مقرر کرنے کی اجازت تھی۔ زمین کے لگان کے ضمن میں عوام کو سرکاری ریکارڈ دیکھنے کی عام اجازت تھی۔ دیوانی اور فوجداری مقدمات میں اعلیٰ عدالتوں میں اپیلیں دائر کرنے کے نظام میں اصلاحات کی گئیں۔ شہنشاہ

> پولیس قانونی شہادت کے بغیر کسی شخص کو گرفتار نہیں کرسکتی تھی۔ فردِ جرم عائد ہونے تک اسے حوالات یا قید خانے میں نہیں رکھا جاسکتا تھا۔

اورنگ زیب نے عدالتی نظام کی خرابیاں دور کرنے کیلئے اعلیٰ ترین عدالت ''دیوان مظالم'' کی ازسرنو تشکیل کی۔ وہ ہر بدھ کو دیوان مظالم کی صدارت خود کرتا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کے رویے میں نرمی آ گئی۔ اس نے موت کی سزا پانے والے مجرم کے جسم میں میخیں گاڑنے کی ممانعت کردی تھی۔ وہ بیشتر صورتوں میں موت کی سزا کو تاحیات سزا میں بدل دیتا تھا۔ چوری اور ڈاکہ زنی کے مجرمین کیلئے یہ سزا کافی سمجھی گئی کہ پچھتاوے کا احساس ہونے تک غیر معینہ عرصہ کیلئے قید میں ڈال دیا جائے۔ چوری کی سزا میں قطع ید کی ممانعت ایک شاہی فرمان کے ذریعہ کردی گئی تھی۔ اورنگ زیب نے ایک اور شاہی فرمان کے ذریعہ مشکوک افراد کی پولیس نگرانی کا ایک باقاعدہ نظام رائج کردیا تھا۔

اس نے قاضیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ گاہے بگاہے بندی خانوں (قید خانوں) کا خود معائنہ کیا کریں اور جب کسی سزا یافتہ کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس کو بہت زیادہ دیر تک قید خانے میں رکھا گیا ہے، تو اسے رہا کردیا جائے۔ برصغیر کے بارے میں ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ہاتھیوں کو مجرموں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی خاص تربیت دی جاتی تھی۔ اس نے لکھا ہے کہ مجرم کو ہاتھیوں کے آگے ڈال دیا جاتا۔ ہاتھی اس شخص کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر ہوا میں اچھالتا، پھر اسے گھما کر اپنے پیروں میں پیٹھ کے بل ڈال دیتا۔ ہاتھی کے پاؤں میں چاقو کی طرح کے تیز آہنی ہتھیار لگے ہوتے تھے۔ اگر مجرم کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا مقصود ہوتا، تو ہاتھی اپنے پاؤں کے آہنی ہتھیار سے اس کا پورا جسم چھلنی کردیتا اور پھر اسے ہجوم کی طرف پھینک دیتا۔ غداروں، ڈاکوؤں اور چوروں کو یہی سزا دی جاتی تھی، تاہم اورنگ زیب کے عہد کے دوران بہت سی عدالتی اصلاحات کی گئیں، جن میں سے بعض پر آج تک عمل ہورہا ہے۔

اورنگ زیب 24 گھنٹے کام کرتا تھا

پروفیسر شری رام شرما کا مضمون جو اورنگ زیب کے نظام حکومت پر روشنی ڈالتا ہے۔

اورنگ زیب نے مکمل ہندوستان پر پچاس سال تک حکومت کی۔ اس طویل عرصہ میں اورنگ زیب نے سلطنت کی تنظیم و انصرام میں جو کچھ کیا، اس کا خلاصہ پروفیسر شری رام شرما کے ایک طویل مضمون سے دیا جاتا ہے۔ یہ مضمون ان اخبارات سے اخذ کیا گیا ہے، جو اورنگ زیب کے عہد میں لکھے گئے تھے۔ ''ان اخبارات پر نظر ڈالنے سے اورنگ زیب کی ایک بڑی اور نمایاں خوبی یہ سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے معمولات میں کبھی تساہل کو دخل نہ دیتا تھا۔ اس کے دور حکومت کے 38 سال میں 10 مہینے تک کے جو اخبارات ہیں، ان میں صرف 11 دن فرصت کا ذکر ہے۔ اگر وہ دیوان عام کے دربار میں نہ آسکتا تھا تو غسل خانہ (حمام) یا اس سے بھی پوشیدہ 'خلوت خانہ' میں کام کرتا تھا۔ دکن میں اس کے کام کے چار طریقے تھے۔ عموماً وہ دیوان عام یا خاص میں بیٹھ کر ملکی معاملات طے کیا کرتا تھا اور عدل و انصاف کے لئے ایک دیوان عدالت خاص منعقد ہوتی تھی۔ اس کے بعد خلوت خانہ میں اجلاس ہوتا تھا، اس میں داخلہ کے خاص قوانین تھے۔ یہاں صرف حکومت کے ذی اقتدار امراء کو باریابی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ خلوت خانہ میں فوری یا ہنگامی اجلاس ہوتے تھے۔ یہاں وہی امراء داخل ہو سکتے تھے، جن کو بادشاہ کسی ضروری اور اہم مسئلہ میں خاص طور سے مشورہ کے لئے طلب کرتا۔ دکن میں فوجی معاملات کی اہمیت کی وجہ سے دیوان عام اور خاص کا مخلوط دربار ہوتا تھا، جو اسی لحاظ سے دیوان عام و خاص کہلاتا تھا۔ اجلاس میں داخلہ کے لئے بادشاہ کے اجازت نامے جاری ہوتے تھے۔ بعض امراء کو مستقل پروانہ ملتا تھا۔ ان میں سے اگر کوئی بغیر اطلاع کے کچھ دنوں غیر حاضر رہتا، تو اسے از سرنو اجازت نامہ حاصل کرنا پڑتا تھا۔ ہر منصب دار کو پروانہ کے حصول کے لئے درخواست دینے کی اجازت تھی، جو تقریباً ہر ایک امیر کو اس کے تقرر، تبادلہ اور ترقی کے وقت مل جاتا تھا۔ جو امراء کسی ملکی یا ذاتی جرم کی بنا پر معتوب ہو جاتے تھے، وہ دربار کی حاضری سے محروم کر دیے جاتے تھے۔ دیوان خاص و عام کوئی جمہوری اسمبلی نہیں تھی، اس کی شرکت کے لئے خاص قوانین اور پابندیاں تھیں۔ بادشاہ اور دربار مل کر حکومت کرتے تھے۔ امراء، حکام یا ان کے نمائندے، جو دارالسلطنت سے دور رہتے تھے، بادشاہ کے حکم سے باریاب ہوتے تھے اور اپنے محکموں کے متعلق فرمان شاہی حاصل کرتے تھے۔ غیر سرکاری اشخاص کا کہیں ذکر نہیں ملتا، البتہ ملکی معاملات کے سلسلہ میں شاہی حکام کے ساتھ بادشاہ کی اجازت سے کبھی کبھی کوئی غیر سرکاری آدمی بھی نظر آجاتا تھا۔ جشن کے مواقع پر البتہ ایک تماشائی کی حیثیت سے گزر ممکن تھا۔'' دربار سے متعلق چند خاص حکام مقرر تھے، جن کا کام شاہی احکام کو جاری کرانا تھا۔ ان کا افسر اعلیٰ میر تزک کہلاتا تھا، جو آداب شاہی کا نگہبان ہوتا تھا۔ ''عرض مقرر'' 'معتمد خاص' کی حیثیت رکھتا تھا۔ شاہی اخبار نویس اول کے ماتحت بہت سے اخبار نویس اور دارو غہ ڈاک چوکی اپنے کثیر مخبروں کے ساتھ دربار میں حاضر رہتے تھے، جو ہر وقت احکام شاہی لے جانے کے لئے پابہ رکاب رہتے تھے۔ ان کے علاوہ خدام خاص مثلاً محافظ جان (باڈی گارڈ) میر شکار، محافظ خیمہ شاہی، بادشاہ کے خاص خدم و حشم میں شمار ہوتے تھے، جن کا کام بادشاہ کی جان کی حفاظت اور اس کی راحت رسانی تھا۔ ہر دن کی کارروائی عموماً گذشتہ دن کے احکام سنانے کے بعد شروع کی جاتی تھی، پھر ان احکام پر مہر تصدیق ثبت کر کے ان کو مختلف محکموں میں عمل درآمد کے لئے بھیج دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد دیوان یا بخشی ان سرکاری خطوط کو پڑھ کر جو صوبہ دار، ضلع دار، سالار شہر پناہ، سردار مہم اور جنگی افسروں کے یہاں سے آتے تھے۔

(باقی صفحہ 29 پر)

اورنگ زیب اسلام

اورنگ زیب پر اعتراضات کے

اورنگ زیب-ایک نیا ورشٹی کونز" ہندی میں لکھی گئی ایک کتاب ہے' جس کے مصنف' ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد' شعبہ تاریخ، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ، ہیں، ایک روشن خیال ... دو ہیں۔ اس کتاب پر ... لکھے گئے پیش ... میں ... کا ... اور ... فیضان رشید' کا ... مترجم' قارئین کیلئے پیش ... پوری کتاب کا نچوڑ ہے۔ 'عرض مترجم' ... ان رشید لکھتے ہیں کہ "تاریخ کے مظلوم ... مطالعہ جب گہرائی اور جذباتیت سے الگ ہو

کر کیا جاتا ہے' تو بے ساختہ انگریزی کا یہ مقولہ یاد آجاتا ہے کہ

"Most of events are not true in history except names years and dates, and most events are true in stories except names, years and dates."

(ترجمہ): "تاریخ میں بیشتر واقعات سچے نہیں ہوتے' سوائے ناموں، سالوں اور تاریخوں کے جبکہ کہانی میں بیشتر واقعات درست ہوتے ہیں' سوائے ناموں ، سالوں اور تاریخوں

کے"۔ مذکورہ بالا مظلوم شاہوں کو تذکرہ نویسوں نے اپنی ذہنی ساخت' قومی عصبیت یا ذاتی اور قومی مفادات کی روشنی میں پیش کیا۔ یا محض داستان سرائی

ہربنس مکھیا اپنی سلجھی ہوئی بے لاگ تحریروں میں بتاتے ہیں کہ آرسی مجمدار اورنگ زیب کے ذریعہ توڑے ہوئے مندروں کا ذکر تو بڑے زور شور سے کرتے ہیں' لیکن ان حقائق پر چپ سادھ لیتے ہیں کہ اسی بادشاہ نے برہمنوں اور مندروں کو دان دیا' جن کی مختصر تفصیل ڈاکٹر کے کے دت کے ذریعہ لکھی گئی "دسم فرمانس، سندس اینڈ پرواناز" نامی تحریر میں پائی جاتی ہے۔

کا شوق پورا کیا' اس کے بعد اسی ذہنیت کے بعد میں آنیوالے 'دانشوروں' اور مؤرخین نے اپنے 'پیش رو رہبران' کی باتوں کو کافی نمک مرچ لگا کر اپنی دوکانداری چمکائی' گویا اپنے پہ اہل دہر کو قیاس کیا'۔ ایسے میں پھر ایک دوسرے انگریزی کا مقولہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔

We see things as we are, not as they are (ترجمہ) "چیزیں ہمیں ویسی ہی نظر آتی ہیں' جیسے کہ ہم خود ہیں- نہ کہ جیسی وہ بذات خود ہیں"۔

اور ان "فنکار دانشوروں اور متعصب مؤرخوں کی کاریگری" کی قیمت آنے والی نسلوں نے اپنے ذہنوں کو تنگ نظر بنا کے اور اپنے خون کو بہا کر ادا کی اور کر رہے ہیں اور نہ جانے کب تک ادا کرتے رہیں گے۔

لیکن شر کی تاریکی خواہ کتنی ہی مہیب کیوں نہ ہو' اس کی یہ مجال نہیں کہ خیر کی حقیر ترین چنگاری کو دبا سکے اور ایسا ہی ہوتا رہا ہے کہ ایک طرف یہ ریاکار دانشور مؤرخین زہر اور نفرت کو تخم ریزی کرتے رہے ، تو دوسری طرف کچھ سعید روحیں حقائق کے سامنے لا کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے انسانیت کی خدمت کرتی رہیں اور حتی الامکان نفرت کی دیواروں کو ڈھا کر محبت اور بھائی چارہ کے راستے ہموار کرتی رہیں۔

ان نیک طینت مؤرخین کے قافلہ میں ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد شعبہ تاریخ پٹنہ یونیورسٹی بھی شامل ہو گئے ہیں۔ موصوف نے ہندوستانی تاریخ کی ایک مظلوم و بدنام شخصیت اورنگ زیب عالم گیر کو انتہائی دیدہ ریزی اور مستند حوالوں کی روشنی میں اپنی کتاب "اورنگ زیب۔ایک درشٹی کونز" میں پیش کر کے نہ صرف اورنگ زیب پر معروضی مطالعہ کیا ہے' بلکہ موجودہ اور آنے والی نسلوں کی راستی کے رخ پر رہبری کی ہے۔

چونکہ یہ کتاب ہندی میں لکھی گئی ہے' اس لئے اس کتاب سے صرف ہندی داں طبقہ ہی فیض اٹھا سکتا ہے۔ کتاب کی افادیت جس خلوص نیت اور نیک مقصد کے لئے لکھی گئی ہے، ان سب باتوں کا تقاضہ تھا کہ اس کا ترجمہ ہندوستان کی سب زبانوں میں کیا جائے۔ فی الحال اس کا اردو ترجمہ اردو قارئین کی خدمت میں پیش ہے"۔

ان نیک طینت مؤرخین کے قافلہ میں ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد شعبہ تاریخ پٹنہ یونیورسٹی بھی شامل ہوگئے ہیں۔ موصوف نے ہندوستانی تاریخ کی ایک مظلوم و بدنام شخصیت اورنگ زیب عالم گیر کو انتہائی دیدہ ریزی اور مستند حوالوں کی روشنی میں اپنی کتاب "اورنگ زیب۔ایک درشٹی کونز" میں پیش کر کے نہ صرف اورنگ زیب پر معروضی مطالعہ کیا ہے' بلکہ موجودہ اور آنے والی نسلوں کی راستی کے رخ پر رہبری کی ہے۔

ڈاکٹر اوم پرکاش

مصنف کتاب ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد کے 'دو لفظ' کہ "ہندوستان کی تاریخ نویسی میں کچھ ایسی غلطیاں پائی جاتی ہیں' جن کی وجہ سے ہمیں کئی طرح کے اختلافات اور بیجا جانبداریاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر 'موریہ سمراٹ اشوک' کے بارے میں صرف اتنا ہی بتایا جائے کہ

(1) اس نے گدی حاصل کرنے کے لئے اپنے 100 بھائیوں کو جان سے مار دیا۔

(2) جنگ کلنگ میں اس نے ایک لاکھ لوگوں کو قتل کیا۔

(3) اس جنگ میں اس نے ڈیڑھ لاکھ لوگوں کو قید کیا۔

(4) وہ ایک کٹر مذہبی حکمراں تھا' کیونکہ اس نے بودھ دھرم کی تبلیغ اور توسیع کیلئے نہ صرف اپنے رشتے داروں کو مقبوضہ علاقوں کے مختلف گوشوں میں بھیجا' بلکہ اپنی حکومت کے افسران کو بھی اس کام میں لگا دیا اور مزید یہ کہ سرکاری خزانے کو استعمال کیا۔

(5) اس کی مذہبی پالیسی نے برہمنوں کو کافی دکھ پہنچایا۔

کوئی بھی سادہ لوح قاری لازمی طور پر اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اشوک ایک برا اور ظالم حکمراں تھا اور ہندوستان کی تاریخ میں کوئی راجہ، شہنشاہ، سلطان یا بادشاہ ایسا نہیں ملتا کہ جس نے اشوک کی طرح اتنے بڑے پیمانے پر قتل عام کیا ہو۔ دشمنوں کو قیدی بنایا ہو اور اپنے ذاتی مذہب کیلئے سرکاری خزانے کا استعمال کیا ہو' لیکن تاریخ میں اشوک کے بارے میں متعدد اچھے اور رفاہی کاموں کا تذکرہ تاریخی حوالوں سے کیا گیا ہے' جس کی بنیاد پر ایک عظیم شہنشاہ ہمیں اس کو ماننا ہی پڑیگا' لیکن دو عظیم شخصیتوں' یعنی' محمد بن تغلق' اور اورنگ زیب' کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان دونوں سلطان اور بادشاہ کے کافی اہم کاموں کو نظر انداز کرتے ہوئے تاریخ کی کتابوں میں انہیں اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ سلطان (محمد بن تغلق) ایک پاگل حکمراں اور بادشاہ (اورنگ زیب) ایک کٹر اور ظالم مسلمان کے روپ میں شناخت کئے جانے لگے' جبکہ ان دونوں حکمرانوں کے عہد میں نہ اشوک کی طرح قتل عام ہوا اور نہ لاتعداد دشمن قیدی بنائے گئے، نہ ہی مذہبی تبلیغ کیلئے سرکاری خزانہ حکومت کی طاقت اور رشتہ داروں کا استعمال کیا گیا' محض اپنے ذاتی مذہب کو توسیع دینے کے خاطر۔ مذکورہ بالا عناصر کو ذہن میں رکھتے ہوئے عالم مؤرخوں کیلئے یہ بات بہت اہم ہے کہ وہ جب محمد بن تغلق اور تاریخ اورنگ زیب کے بارے میں لکھیں' تو یہ حقیقت مدنظر رہنی

جادوناتھ سرکار

چاہیے کہ وہ سمراٹ اشوک کی طرح صرف برا ہی نہ تھا بلکہ اچھے کاموں کیلئے بھی پہچانا جائے۔ اورنگ زیب دوسرے حکمرانوں کی طرح پہلے ایک بادشاہ تھا' پھر کسی مذہب کو ماننے والا۔ کامیاب حکمرانی کیلئے اس نے مختلف تجربات کئے' جن کے اچھے برے اثرات ہندو اور مسلمانوں دونوں پر پڑے۔

انگریز مؤرخین کی شرارت

اورنگ زیب کے خلاف سب سے زیادہ متعصبانہ رویہ انگریزی عہد کے مؤرخوں نے اپنایا۔ 'ایلیٹ اور ڈاؤسن' نامی دو انگریز مؤرخوں نے اپنی کتابوں میں مسلم سیاحوں کے سفرناموں اور مسلم مؤرخوں کی لکھی ہوئی کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اپنے ترجمہ میں ان مؤرخوں نے خاص طور سے اس بات کا دھیان رکھا کہ وہی باتیں انگریزی میں ترجمہ کی جائیں' جن سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان معاشرتی، معاشی، سیاسی اور خاص طور سے مذہبی زاویہ نظر سے اختلاف پیدا ہوں۔ ان دونوں کے درمیان بھید بھاؤ بڑھتا رہے۔ انگریزوں نے اپنی عقل کے بل پر دنیا کے بیشتر علاقوں پر قبضہ کیا اور

اورنگ زیب دربار میں اپنے وزراء کے ساتھ

پرست تھا، مگر ہندو دشمن نہیں

جواب میں ہندو مؤرخین کی رائے

ہمیشہ 'پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو' کی پالیسی پر یقین کیا۔ انگریزوں کی اس پالیسی کا 'ایلیٹ اور ڈاؤسن' کی تحریروں پر کافی گہرا اثر پڑا۔ دوسرے مسلم حکمرانوں کی بات اگر یہاں نہ بھی کریں اور اورنگ زیب پر دھیان دیں' تو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اسے مغلیہ عہد کا سب سے خراب بادشاہ ثابت کرنے کیلئے انہوں نے صرف اورنگ زیب کے اچھے کاموں کو کوئی مقام نہیں دیا' بلکہ اس کی شخصیت میں داغ لگانے کیلئے غلط اور جھوٹی باتوں کو بنیاد بنا کر تاریخ کے ساتھ ناانصافی کی۔

دوسری کتاب مشہور تاریخ داں جادو سرکار (سر جادو ناتھ سرکار) کی لکھی ہوئی ہندی اور انگریزی زبانوں میں موجود ہے۔ ویسے 'سر' کا خطاب انگریزوں نے زیادہ تر ایسے ہی لوگوں کو دیا' جنھوں نے انگریزوں کے خیالات و بہبودی کا خیر مقدم دل کھول کر کیا۔ جادو ناتھ سرکار کی کتاب پڑھنے پر ہمیں بڑی دلچسپ باتیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ سرکار صاحب کوئی ایسا قدم اٹھانے سے باز نہیں آتے ہیں، محض یہ ثابت کرنے کیلئے کہ اورنگ زیب مغلیہ عہد کا بدترین بادشاہ تھا، جبکہ ہمیں ان ہی کتابوں میں اورنگ زیب سے متعلق کافی اہم باتیں ایسی بھی دیکھنے کو ملتی ہیں' جن پر غور کرنے سے ہم آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ وہ اتنا کٹر، ظالم اور متعصب نہیں تھا کہ جتنا بتایا گیا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے اگر ہم سرکار صاحب کی کتاب میں شائع اورنگ زیب کے ''فرمانوں'' کا مطالعہ کریں' تو بات کافی حد تک سمجھ میں آسکتی ہے۔

آشر وادی لال، ایشوری پرشاد، شری رام شرما، آرسی مجمدار اور وی ایس اسمتھ وغیرہ جیسے مؤرخوں نے بھی وسطی عہد پر کتابیں لکھی ہیں' لیکن اورنگ زیب پر لکھتے وقت ان مؤرخوں نے بھی اپنے ''جانبدارانہ'' رویہ کا اظہار جانے یا انجانے میں کچھ اس انداز سے کیا کہ پڑھنے والے نے اسے کٹر مسلمان اور ظالم بادشاہ ہی سمجھا' لیکن 1960 کے آس پاس ہمیں کچھ ایسے غیر جانبدار اور صاف ذہن مؤرخوں کی لکھی ہوئی تحریریں اور کتابیں ملتی ہیں' جن میں اورنگ زیب کے بارے میں کافی غیر جانبدارانہ باتوں کا علم ہوتا ہے' جن میں عرفان حبیب، ایس نورالحسن، ہربنس مکھیا، اطہر علی اور ستیش چندر وغیرہ کے نام کافی اہم ہیں۔ عرفان حبیب نے اپنی کتاب اور دوسری سلجھی ہوئی تحریروں کے ذریعہ کچھ ایسے نکات اجاگر کیے ہیں' جن کی بنیاد پر صاف ذہن لوگوں کی نہ صرف ہمدردیاں اورنگ زیب کے ساتھ ہوئیں' بلکہ جادو ناتھ سرکار اور دوسرے مؤرخین کی تحریروں کی کمزوریاں بھی ابھر کر سامنے آنے لگیں۔

ہربنس مکھیا اپنی سلجھی ہوئی بے لاگ تحریروں میں بتاتے ہیں کہ آر سی مجمدار اورنگ زیب کے ذریعہ توڑے ہوئے مندروں کا ذکر تو بڑے زور شور سے کرتے ہیں' لیکن ان حقائق پر چپ سادھ لیتے ہیں کہ اسی بادشاہ نے برہمنوں اور مندروں کو دان دیا' جن کی مختصر تفصیل ڈاکٹر کے کے دت کے ذریعہ لکھی گئی 'سم فرمانس، سندس اینڈ پرواناز' نامی تحریر میں پائی جاتی ہے۔ مکھیا صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ حکمرانوں کے ذریعہ توڑے گئے مندروں کے تذکرہ کو تاریخ میں مقام ضرور دیا جائے' لیکن صرف مسلمانوں کے بارے میں ہی نہ لکھا جائے' بلکہ ان ہندو حکمرانوں کے بارے میں بھی لکھا جائے' جنھوں نے ہندو مندروں کو برباد کیا۔ ان کا خیال ہے کہ اہل اور قابل تعریف وہی مؤرخ ہے' جو کہ قدیم زمانے کے تذکرات میں ایک منصف مزاج جج کی طرح راست باز و غیر جانبدار رہے۔

> بی این پانڈے نے خدا بخش خطبات میں اس بات پر کافی زور دیا ہے کہ اب اورنگ زیب کے بارے میں ان حقائق کو بھی روشنی میں لانا چاہیے' جنہیں اب تک نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ اورنگ زیب کے ان پہلوؤں کا اجاگر کرنے میں ڈاکٹر بیدار ڈائریکٹر خدا بخش لائبریری نے خاصا حصہ لیا اور اپنا بیش قیمتی وقت اصلی مسودہ کو پڑھنے میں دیا۔ ان کے قیمتی مشوروں نے میری اس مشکل کام کی تکمیل میں کافی ہمت افزائی کی' ورنہ میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا۔

ایک طرف سر جادو ناتھ سرکار اور انگریز مؤرخین بالخصوص ایلیٹ، ڈاؤسن اور وی اے اسمتھ تاریخ کے معنی راجہ رانی، وزیر، درباری، امراء، ناچنے گانے والیاں اور راج دربار سے متعلق 'تبرکات' سے لیتے ہیں' وہاں عرفان حبیب نے تاریخ کا مطلب تکنیکی ترقی، زراعت، صنعت و حرفت اور تجارت میں تاریخی تبدیلیوں کو خصوصی بنیاد بتایا ہے۔ انہیں بنیادوں کے بل پر عرفان صاحب نے اورنگ زیبی عہد کی خصوصیات کا اگلے اور پچھلے حکمرانوں کے ادوار سے مقابلہ کرتے ہوئے اورنگ زیب کی خوبیوں کو ثبوت کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔

اطہر علی نے ہندوؤں کے سب سے بڑے حمایتی کہلائے جانے والے بادشاہ اکبر اور ہندوؤں کے سب سے بڑے مبینہ دشمن اورنگ زیب کے عہدوں کے عہدے داران حکومت کی تفصیلات کی تحقیق دستیاب شہادتوں کی بناء پر کی ہے اور یہ ثابت کرنے میں کامیاب رہے ہیں کہ اکبر نے اپنے دور حکومت میں سب سے زیادہ ہندوؤں کو نہیں نوازا ہے۔ اس نے حکومتی عہدوں پر اتنی تعداد میں ہندوؤں کا تقرر نہیں کیا' جتنی تعداد میں اورنگ زیب نے اپنے دور حکومت میں کیے۔

ایک تیسرے رخ کو اجاگر کرنے کا سہرا ستیش چندر کے سر جاتا ہے' جنھوں نے جزیہ ٹیکس پر ایک غیر جانبدارانہ و سلجھی ہوئی تحریر شائع کی ہے۔ اپنی کتاب میں سب سے پہلے بہت سلیقہ اور ٹھوس ڈھنگ پر انہوں نے اورنگ زیب کا مطالعہ کیا ہے اور اسکی کمزوریاں اور خوبیاں بہت ہی سلجھے ہوئے اور متوازن انداز میں پیش کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔

رومیلا تھاپر نے اپنی کتاب 'مدھیہ کالین بھارت' میں انتہائی واضح اور ٹھوس الفاظ میں سلطنت مغلیہ کے زوال کا باعث بجائے اورنگ زیب کے اس زمانے کے سماجی اور اقتصادی حالات اور اورنگ زیب کے جانشینوں کو مانا ہے۔ چپن چندرا نے اپنی کتاب 'مدھیہ کالین بھارت' کے پہلے باب میں مغلیہ سلطنت کے زوال کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ دنیا میں کسی عہد کے عروج و زوال کی ذمہ داری ایک فرد پر ڈالنا اسی حالت میں بچ ہوگا' جب کہ تاریخ کو ہم راجہ رانی کی کہانی مان لیں۔

> اطہر علی نے ہندوؤں کے سب سے بڑے حمایتی کہلائے جانے والے بادشاہ اکبر اور ہندوؤں کے سب سے بڑے مبینہ دشمن اورنگ زیب کے عہدوں کے عہدے داران حکومت کی تفصیلات کی تحقیق دستیاب شہادتوں کی بناء پر کی ہے اور یہ ثابت کرنے میں کامیاب رہے ہیں کہ اکبر نے اپنے دور حکومت میں سب سے زیادہ ہندوؤں کو نہیں نوازا ہے۔ اس نے حکومتی عہدوں پر اتنی تعداد میں ہندوؤں کا تقرر نہیں کیا' جتنی تعداد میں اورنگ زیب نے اپنے دور حکومت میں کیے۔

بی این پانڈے نے خدا بخش خطبات میں اس بات پر کافی زور دیا ہے کہ اب اورنگ زیب کے بارے میں ان حقائق کو بھی روشنی میں لانا چاہیے' جنہیں اب تک نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ اورنگ زیب کے ان پہلوؤں کا اجاگر کرنے میں ڈاکٹر بیدار ڈائریکٹر خدا بخش لائبریری نے خاصا حصہ لیا اور اپنا بیش قیمتی وقت اصلی مسودہ کو پڑھنے میں دیا۔ ان کے قیمتی مشوروں نے میری اس مشکل کام کی تکمیل میں کافی ہمت افزائی کی' ورنہ میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا۔ اس کے علاوہ میں ڈاکٹر شمشاد حسین، ڈاکٹر جناردن پرشاد سنگھ، ڈاکٹر سمت نیوگی اور دوسرے بزرگوں کا بیحد شکر گزار ہوں' جنہوں نے یکم دسمبر 1986 کو خدا بخش لائبریری میں میرا اورنگ زیب کے بارے میں خطبہ سماعت فرما کر میری ہمت بڑھائی۔ پٹنہ کالج اور دوسرے کالجوں سے آئے ہوئے بیدار ذہن اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے طلباء کا میں دل سے مشکور ہوں' جنھوں نے 9 دسمبر 1986 کو خدا بخش لائبریری میں میرے اورنگ زیب کے بارے میں مقالہ کو انتہائی نظم و ضبط اور دلچسپی کے ساتھ سنا۔ ان طلباء کی تعداد تین چار سو کے قریب تھی۔ اس لیکچر کے ہندی میں دو ایڈیشن (1987 اور 1989) شائع ہو چکے ہیں۔ خوشی ہے کہ لائبریری اس کا اردو ایڈیشن نکال رہی ہے۔''

بی این پانڈے

رومیلا تھاپر

دربار میں وزراء کے ساتھ اورنگ زیب عالمگیر

ہندوستان کی تاریخ میں کبھی کسی بادشاہ کی ا

اورنگ زیب عالمگیر کی تاج پوشی جیس

تاریخ کی روشنی میں آنکھ

افروزی کا سبب بن چکے تھے۔

مسلم سلاطین

بہرحال دربار کے نجومیوں نے 5 جون 1659ء کو سوا تین بجے کی ساعت تخت نشینی کے لئے نیک قرار دی۔ اگرچہ ایک سال قبل 21 جولائی 1658ء میں اس کی صدر نشینی ہو چکی تھی، لیکن چونکہ اس وقت صورت حال اتنی حسب حال نہ تھی کہ یہ جشن شایان شان منایا جاسکتا۔ اس کے علاوہ وہ اپنے مخالفین اور دشمنوں سے پوری

ڈشکیل گھوڑوں پر قوی ہیکل شہ سواروں کا جلوس تھا۔ ان گھوڑوں کی لگاموں میں ہیرے موتی جڑے ہوئے تھے اور رکابیں سونے کی بنی ہوئی تھیں۔

شہ سواروں کے بعد مادہ فیل اور سانڈنیوں کا بھاری جلوس تھا، جن پر دیبا و حریر کی چادریں لٹک رہی تھیں۔ ان کے بعد پیدل فوج کے دستے تھے، جن میں مشعلچی آتش باز بھی تھے۔ سب کے ہاتھوں میں بجلی کی طرح چمکتی ہوئی شمشیریں جھلملا رہی تھیں۔

بے شمار پیدل دستوں کے بعد امراء، رؤسا، سرداروں اور وزیروں کا جلوس تھا، جنہیں ارد گرد سے عوام گھیرے میں لئے چل رہے تھے اور ان کے بعد مغل فیل خانہ کا سب سے قوی ہیکل ہاتھی تھا، جس کی پشت پر خالص طلائی ہودج جواہرات سے مرصع ومزین اپنی آغوش میں اس عظیم ترین ہستی کو لئے

جو عنفوان شباب میں عالمگیر کے چہرے میں نمایاں تھیں۔ ابھی ناک اور ٹھوڑی میں وہ سختی، گالوں پر پچکا پن اور لمبی داڑھی کے علاوہ آنکھوں میں وہ جاہ وجلال نہ تھا، جو اس کے یوروپین درباریوں نے اس ساعت سے تیس سال بعد دیکھ کر کینوس پر منتقل کیا تھا، لیکن بے شکن پیشانی پر دونوں آبدار اور تیزی سے چمکنے والی آنکھوں کی جانب دیکھنے کی کسی انسانی آنکھ میں مجال نہ تھی۔ نیزے کی طرح تیزی سے دھنس جانے والی ان آنکھوں میں کسی بھی بڑے سانحہ سے جھجکنے اور متاثر ہونے کی کمزوری نہ تھی۔ عظیم شہنشاہ کی بادامی آنکھیں خوف اور کمزوری کے احساسات سے

عبدالقدیر آزاد کے قلم سے

وجبروت کے ساتھ جلوس پرانی دہلی کے صدر بازار سے ہوتا ہوا لال قلعہ کی فصیل کے اندر لاہوری دروازے سے داخل ہوا۔

اس کے بعد جتنے سوار تھے، سواری چھوڑ کر پیدل ہولئے اور سلطان وقت نے تھوڑی دیر کے لئے دیوان عام اور دیوان خاص میں قیام کیا۔ یہاں مغل سرداروں نے ان گنت روپیہ سلطان کی روبکاری میں پیش کیا، تاکہ اس پر وہ اپنا مقدس ہاتھ رکھ دے۔ بعد میں لاکھوں روپیوں سے بھرے ہوئے یہ تھال

اورنگ زیب کے دربار کا منظر

ہوئے تھا، جو چاروں طرف لاکھوں کی تعداد میں جمع ہونے والی مخلوق کی جان نظر بنی ہوئی رونق افروز تھی اور یہ جلیل القدر ہستی اورنگ زیب عالمگیر غازی بادشاہ ہند تھی، جو اس وقت سارے ہندوستان کی بلاشرکت غیرے مالک تھی۔

اورنگ زیب کی عمر اس تاجپوشی کے وقت 40 برس سے کچھ زیادہ تھی۔ برسہا برس کی جنگ وجدال میں گذری ہوئی زندگی نے اس کے چہرے سے مشرقی شاہزادوں کی نزاکت اور نفاست کے نشان مٹا دیئے تھے۔ جسم چھریرا تھا، لیکن لمبا اور سڈول چہرہ گول نہ تھا، بلکہ قدرے لانبا تھا، لیکن وہ ان رعنائیوں کو کھو چکا تھا،

بے نیاز تھیں۔

اس عظیم شہنشاہ کے ارد گرد دنیا کے دلیر ترین وفادار اور جاں نثار شہ سواروں کا مجمع تھا، جن کے جلال وجبروت سے دشت اور جبل کانپ اٹھے تھے، جنہوں نے گولکنڈہ، بیجاپور کے مجمع اور قوی سرداروں کے علاوہ شجاع اور دارا جیسے نڈر اور بے باک دلیروں اور بہادروں کی تلواروں کی سرنگوں کر دیا تھا۔

اس فیل کے ہودج کی پشت سے ارد گرد جمع ہونے والے تماشائیوں کی جانب مٹھی بھر بھر کر طلائی اور سیمیں سکے برابر پھینکے جا رہے تھے۔ اس شان وشوکت، تزک واحتشام، جاہ وجلال اور عظمت

ضرورت مندوں کو خیرات کر دیئے گئے، تاکہ شہنشاہ پر آنے والی بلاؤں کا رد ہو سکے۔ خیرات وزکوٰۃ کے بعد شہنشاہ شاہی حرم میں داخل ہو گئے، تاکہ تھوڑی دیر آرام کر سکیں۔

یہاں پہلے سے دیوان عام اور دیوان خاص کو سجانے اور تاجپوشی کی رسم کے دن کے لئے مرصع ومزین کرنے کا کام شروع ہوا۔ در ودیوار کو ہیرے جواہرات، لعل اور موتیوں سے سجانا شروع کیا گیا۔ ایشیاء کی اس عظیم ترین سلطنت نے تین پشتوں سے جو مال ودولت جمع کی تھی، اس کا انبار لگا دیا گیا۔ دنیا کے وہ تمام نوادرات جو شاہی خزانے میں موجود تھے، باہر

جمہوری

دور میں حلف وفاداری اٹھانے کی رسم بادشاہوں کی رسم تاج پوشی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ تاجپوشی کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ خود شہنشاہیت کی، لیکن عالمگیر کی رسم تاجپوشی کی مثال تاریخ کے اوراق میں اور کہیں نہیں ملتی۔ خود ہندوستان کے نامور مؤرخ سر جادو ناتھ سرکار نے اس کا اقبال واعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ بلاشبہ تمام مسلمان فرمانرواؤں میں اورنگ زیب کی رسم تاجپوشی سب سے زیادہ جاہ وجلال اور تزک واحتشام سے منائی

طرح الجھا ہوا تھا۔

خورجہ اور اجمیر کی فتوحات سے سرخرو ہوتا ہوا یہ عظیم اور تقدس مآب شہنشاہ دہلی میں 12 مئی 1659ء کو داخل ہوا۔ اس کا جلوس دلی کی بڑی بڑی شاہراہوں سے گذرتا ہوا لال قلعہ کی جانب روانہ ہوا۔ فتوحات کے بعد دلی میں داخل ہونے سے قبل اس نے پاس ہی خضر آباد میں اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈال لیا تھا۔ اس جلوس کی تفصیل یہ ہے کہ جلوس کے آگے آگے بینڈ تھا، جو فتح ونصرت کی شہنائیاں بجا رہا تھا۔ مسرت ریز دھنیں نفیری اور شنکھوں کے باجے سے نکل نکل کر

دیوان عام کے اندر اور باہر شامیانوں اور خیموں میں لوگوں کے داخل ہونے کے لئے راستے بنائے گئے تھے، جن پر طلائی زنجیریں لٹک رہی تھیں۔ اسی طرح دیوان عام کے دروازوں اور دیواروں پر گجرات، چین اور ترکی کے مشہور اور معروف زردوزی غلاف چڑھا دیئے گئے تھے۔ دیوان عام کے ارد گرد غلام گردش کو سنوارنے کے لئے مغل سلطان کے سرداروں نے اپنے توشہ خانوں کی بیش قیمت اشیاء کا استعمال کیا تھا اور وہاں ایرانی قالین بچھوائے گئے تھے، تاکہ ان سرداروں کے نائبین وہاں بیٹھ سکیں۔

لوگوں کے احساسات اور جذبات میں حرارت پیدا کر رہی تھیں۔

اس کے بعد ہاتھیوں کی دو رویہ قطاریں کمخواب مخمل اور اطلس میں ملبوس بینڈ باجوں کے پیچھے مستانہ اور جھومتی چلی آرہی تھیں۔ ان کی گردنوں میں طلائی گھنٹیاں اور جسم پر نقرئی زنجیریں آویزاں تھیں، جن میں بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ ہر فیل کے ہودج میں ایک سنتری شاہی پرچم کو فضاء میں اونچا کئے ہوئے کھڑا تھا۔

ہاتھیوں کے بعد عربی اور ایرانی نسل کے حسین

گئی۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ شاہجہاں مغل بادشاہوں میں سب سے عظیم الشان سلطان تسلیم کیا جاتا ہے، لیکن 1628ء میں جب اس کی تاجپوشی کی رسم ادا کی گئی، تو اس کے پاس نہ تو بیش قیمت جواہرات سے مرصع ومزین تخت طاؤس تھا اور نہ اس وقت تک کوہ نور مغلوں کے خزانے کی زینت بن سکا تھا۔ نہ اس وقت آگرہ اور دہلی کے شاہی محلات کے در ودیوار کے طمطراق میں گولکنڈہ اور بیجاپور سے حاصل کئے ہوئے ہیرے، جواہرات اور لعل نے ان کی شان شوکت میں وہ اضافے کئے تھے، جو اورنگ زیب عالمگیر کی رسم تاجپوشی کے وقت جلال انگیزی اور جمال

اورنگ زیب عالمگیر کو ڈولی پر اٹھائے ہوئے کہار

...ـبی رسم تاج پوشی دیکھنے میں نہیں آئی
...ـ چاند ستارے زمین پر اتر آئے

...ن دیکھا حال

...ے گئے۔ ہندوستان کے فنکاروں اور دست کاروں
...یش قیمت شاہکار لال قلعہ اور قصر شاہی کے سنگھار
... لئے اکٹھے کر لئے گئے۔ دن رات تاجپوشی کی
...یاں ہوتی رہیں۔ امیر کبیر رئیس تاجر اور حاکم
... وروز آنے والے دن کو یادگار بنانے کے لئے
...ـیندیں حرام کر چکے تھے۔
دیوان عام کے تمام 40
...ں کو دنیا کے بیش قیمت
...وں سے ملبوس
...یا گیا۔ اطلس وکم
...ب دیبا وحریر
مشہور
...ت سے
...ے گئے
... جو ان
... میں
...شہرت کے
مالک
...ہر محراب میں سیم
...ی زنجیریں آویزاں
...ـیں جن میں عدیم النظیر
...رات مزین تھے۔ دیوان عام کے
... میں ایک جگہ کو سنہری زنجیروں سے محصور
...یا گیا۔ اس جگہ اس زمانے کا سب سے حسین
...ـں جلیل الشان "تخت طاؤس" رکھا گیا اور اس کے
...رد آنکھوں کی روشنی کو خیرہ کر دینے والے قیمتی پتھر
...یئے۔ ان جواہرات کی چمک دمک نے ایشیاء
...س عجوبہ تخت طاؤس کی رونق میں ہزار گنا اضافہ
...یا۔ اس تخت کے سامنے ایک شامیانہ کھڑا کیا گیا'
... کے گوشوں کو باندھنے کے لئے ریسوں کے
...ے اعلیٰ تین ریشمی ڈوریاں استعمال کی گئی تھیں' جن
...ہیرے لٹکے ہوئے تھے۔ تخت کے اوپر ایک
...ی تھی۔ اس پر بھی لعل وزمرد جڑے ہوئے تھے۔
... کے سامنے دائیں بائیں طلائی صوفے اور
...سیاں تھیں' جن پر امراء ورؤسا کو حسب حیثیت
...تا تھا۔ ان صوفوں کے پاس ہی ایسی میزیں تھیں'
... پر شہنشاہ کے ذاتی ہتھیار رکھے گئے تھے۔
...ے تلوار' ڈھال' خنجر سب ہی بیش قیمت
...رات سے مزین تھے۔ تخت طاؤس کے سامنے
...ہوئے وسیع وعالیشان شامیانے کے علاوہ آس

پاس اور بھی خیمے نصب تھے' جن کے فرش کے لئے مخمل وکم خواب کا استعمال کیا گیا تھا اور ایسے قالین بچھائے گئے تھے' جو اپنے دور کی دستکاری کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔

دیوان عام کے اندر اور باہر شامیانوں اور خیموں میں لوگوں کے داخل ہونے کے لئے راستے بنائے گئے تھے' جن پر طلائی زنجیریں لٹک رہی تھیں۔ اسی طرح

دیوان عام کی اس سجاوٹ اور سنگھار سے دیوان خاص کی شان وشوکت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ دیوان خاص کے اندر جھانکنے کی کس کو تاب وطاقت تھی۔ بھرحال اسے کس طرح سجایا گیا ہوگا' وہ قارئین کے اپنے تصورو تخیل کی طاقت پر منحصر ہے۔

دیوان عام کے دروازوں اور دیواروں پر گجرات' چین اور ترکی کے مشہور اور معروف زردوزی غلاف چڑھا دیئے گئے تھے۔ دیوان عام کے اردگرد غلام گردش کو سنوارنے کے لئے مغل سلطان کے سرداروں نے اپنے توشہ خانوں کی بیش قیمت اشیاء کا استعمال کیا تھا اور وہاں ایرانی قالین بچھوائے گئے تھے' تاکہ ان سرداروں کے نائبین وہاں بیٹھ سکیں۔

دیوان عام کی اس سجاوٹ اور سنگھار سے دیوان خاص کی شان وشوکت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ دیوان خاص کے اندر جھانکنے کی کس کو تاب وطاقت تھی۔ بہرحال اسے کس طرح سجایا گیا ہوگا' وہ قارئین کے اپنے تصورو تخیل کی طاقت پر منحصر ہے۔

ٹھیک تین بج کر 15 منٹ پر شہنشاہ اورنگ زیب شاہی پوشاک میں ملبوس دیوان عام میں داخل ہو کر تخت طاؤس پر رونق افروز ہوگئے۔ اورنگ زیب نے جیسے ہی تخت پر قدم رکھا' شاہی بینڈ کی سریلی آوازیں فضاء میں گونج گئیں۔ مسرت ریز آوازوں اور فلک شگاف نعروں سے ماحول جھوم اٹھا۔

بینڈ کے بعد مغنی اپنی جادو بھری آواز سے نغمے بہانے لگے۔ رقاصائیں بجلی کی چمک اور تلوار کی سی لوچ کے ساتھ اپنے فن کا مظاہرہ کرنے لگیں۔ یہ رقص وسرود ایک عالم وقت کو منبر پر کھڑا دیکھ کر ساکت وصامت ہوگیا۔ سلطان عصر کا مفتی اورنگ زیب عالم گیر کا خطبہ پڑھ رہا تھا۔ اورنگ زیب کے سریر آرائے سلطنت ہونے سے پیشتر جتنے خلیفہ گذرے تھے' ان کا نام اس کی زبان پر تھا۔ خطبہ کا آغاز خدا کی حمد اور رسول اکرمؐ کی نعت سے ہوا۔ ہر مقدس نام پر خطبہ پڑھنے والے عالم کو ایک قیمتی پوشاک شہنشاہ کی جانب سے نذر کی جارہی تھی اور جب اس نے شہنشاہ عالمگیر کے القاب وخطابات پڑھنے شروع کئے' تو خطیب کو طلائی پوشاک اور سیم وزر سے لاد دیا گیا۔ سونے چاندی کے سکوں سے بھرے ہوئے طشت اور ہیرے جواہرات سے لبریز کشتیوں کو درباریوں پر لٹا دیا گیا۔

درباریوں نے کورنش بجا لانے کے بعد شہنشاہ اورنگ زیب زندہ باد کے نعرے لگائے اور شہنشاہ نے انہیں خلعتوں سے سرفراز کیا۔ شاہی خادم اور ملازم حاضرین پر گلاب وکیوڑہ کا عرق چھڑک رہے تھے۔ بہت سے خدام پان کی طلائی کشتیاں لئے حاضرین کی ضیافت کر رہے تھے۔ تمام فضاء مشک وعطر اور عود وعنبر کی خوشبو سے معطر ومعنبر ہوگئی۔

اسی دن نئے سکے ڈھالے گئے۔ شاہجہاں نے اپنے سکے پر کلمہ توحید تحریر کر دیا تھا۔ اورنگ زیب کے تقدس نے سکہ پر کلمہ توحید ثبت کیا جانا اس لئے

چاندی کے اس روز ڈھالے گئے' سب کے سب شہنشاہ پر نچھاور کر کے خیرات کر دیئے گئے۔

تمام صوبوں اور ممتاز شہروں میں خریطے اور پروانے روانہ کئے گئے' جن میں شہنشاہ کی صدر نشینی کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس کارروائی میں پورے دو گھنٹے اڑتالیس منٹ صرف ہوئے' پھر شہنشاہ نے دربار برخاست کیا اور حرم میں چلے گئے۔ شاہی حرم میں بھی دربار منعقد کیا گیا' جہاں ملکہ کے علاوہ شہزادیوں' امیروں' رئیسوں اور سرداروں کی بیگمات نے اس شاہی شمع کے گرد پروانہ وار جمع ہو کر مبارکبادیں پیش کیں۔ تحائف دیئے' نذرانے پیش کئے اور ایک خطیر رقم نچھاور کر دی گئی۔ مغل بیگمات نے اورنگ زیب کے سر کا صدقہ دیتے ہوئے ہیرے جواہرات لٹا

اڑتالیس منٹ صرف ہوئے۔ یہاں شہنشاہ کی جانب سے کچھ ایسے اعلانات ہوئے' جو گذشتہ رسم وروایات اور قانون وضوابط کے خاتمہ کا باعث تھے۔

مثال کے طور پر سرکاری کاغذات پر سن ہجری کے استعمال کا حکم ہوا۔ ایرانی جشن نوروز منایا جانا بند ہوا۔ اسلامی احکام کی پابندی کرانے اور شراب بندی کے لئے محتسب کے عہدہ کا قیام عمل میں آیا اور سب سے اہم ترین اعلان وہ تھا' جس کی رو سے بے شمار ٹیکسوں کو معاف کر دیا گیا تھا۔

اس رات دریائے جمنا کے کنارے پر بے مثال چراغاں کیا گیا۔ پورے دریا کی سطح روشنی کے پھولوں سے بجی ہوئی کیاری معلوم ہو رہی تھی۔ لوگ کشتیوں میں بیٹھے ہوئے اس طرب انگیز موقع پر خوشیاں

اورنگ زیب کی عمر اس تاجپوشی کے وقت 40 برس سے کچھ زیادہ تھی۔ برسہا برس کی جنگ وجدال میں گذری ہوئی زندگی نے اس کے چہرے سے مشرقی شاہزادوں کی نزاکت اور نفاست کے نشان مٹا دیئے تھے۔ جسم چھریرا تھا' لیکن لمبا اور سڈول چہرہ گول نہ تھا' بلکہ قدرے لانبا تھا' لیکن وہ ان رعنائیوں کو کھو چکا تھا' جو عنفوان شباب میں عالمگیر کے چہرے میں نمایاں تھیں۔ ابھی ناک اور ٹھوڑی میں وہ سختی' گالوں پر پچکا پن اور لمبی داڑھی کے علاوہ آنکھوں میں وہ جاہ وجلال نہ تھا' جو اس کے یوروپین درباریوں نے اس ساعت سے تیس سال بعد دیکھ کر کینوس پر منتقل کیا تھا' لیکن بے شکن پیشانی پر دونوں آبدار اور تیزی سے چمکنے والی آنکھوں کی جانب دیکھنے کی کسی انسانی آنکھ میں مجال نہ تھی۔

مناسب نہ سمجھا کہ بسا اوقات سکوں کے غلط استعمال سے اللہ کی بے حرمتی ہو سکتی ہے' اس لئے بجائے کلمہ کے مندرجہ ذیل شعر مرقوم کیا گیا۔

سکہ زد در جہاں چو بدر منیر
شاہ اورنگ زیب عالمگیر

یعنی شہنشاہ اورنگ زیب فاتح عالم نے روئے زمین پر ماہتاب کی مانند چمکتا ہوا یہ سکہ جاری فرمایا۔

سکہ کی پشت پر سن جلوس کے علاوہ طغرے کی شکل میں ابوالمظفر' محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی تحریر تھا۔ جتنے سکے سونے اور

دیئے۔ شہنشاہ نے بھی ہر خاتون کو اس کی حیثیت کے مطابق تحائف دیئے اور اعزاز سے سرفراز کیا۔ اپنی بہن روشن آراء کو تقریباً پانچ لاکھ روپیوں کے تحائف سے نوازا۔ اپنی چاروں بیٹیوں کو نو لاکھ روپے مرحمت کئے اور اپنے چاروں بیٹوں میں آٹھ لاکھ روپے بصورت نقد اور جنس تقسیم کئے۔

اس کے بعد دیوان خاص میں دربار کا انعقاد ہوا' جہاں مغل سلطنت کے ممتاز اور منتخب حاکم' صوبہ دار' سردار' عالم' شاعر اور دیگر فنکار موجود تھے۔ سب کو ہی انعام واکرام سے سرفراز کیا۔ اس تقریب میں تقریباً

منا رہے تھے۔ رات کو شہر دلہن کی طرح جگمگا رہا تھا اور شاہی توپ خانے کے زیر اہتمام آتش بازی کے فن کا وہ مظاہرہ کیا گیا' جو آج تک دلی کے لوگوں کے ذہن پر نقش ہے۔

نذرو نیاز' تحفہ وتحائف اور اعزازات کی تقسیم کا یہ سلسلہ تقریباً دو ماہ سے زیادہ تک جاری رہا اور اس طرح مہینوں لوگوں کے دل ودماغ میں غم وفکر کے بجائے اس عظیم المرتبت اور جلیل القدر شہنشاہ کی تاجپوشی کی خوشی تروتازہ رہی۔

اورنگ زیب عالمگیر کا شکوہ

فرانسیسی سیاح برنیئر کی نظر میں

فرانکوئس برنیئر، جو کہ فرانس کے مشہور سیاح گزرے ہیں نے 1657ء سے لے کر 1668 کے دوران ہندوستان کا سفر کیا۔ اس وقت برصغیر پر اورنگ زیب عالمگیر (.1707d) کی حکومت تھی، جو کہ ہندوستان کے آخری مضبوط بادشاہ ہوئے ہیں۔ جب اورنگ زیب ہندوستان کے شہنشاہ بنے، تو ان کے ایک استاذ دربار میں اعلیٰ عہدے کی آرزو لئے بادشاہ کے پاس آئے اور ان کی خوشامد شروع کر دی۔ اورنگ زیب نے اپنے استاذ سے اس زمانے کے تعلیمی نظام کے مسائل پر گفتگو کی۔ ان کے خیالات سے ہمارے نظامِ تعلیم کی خامیاں بھی سامنے آجاتی ہیں۔ پچھلے ساڑھے تین سو برس میں یہ صورتحال بہتر نہیں ہوسکی ہے۔ برنیئر جو کہ اس موقع پر موجود تھے، اورنگ زیب کی تقریر کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ملاجی! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو سلطنت کا اعلیٰ ترین عہدہ دے دوں؟ تو آیئے، ہم آپ کے ممتاز مقام کا جائزہ لیتے ہیں۔ مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ آپ اس عہدے کے حق دار تھے۔ اگر آپ نے میرے ناپختہ ذہن میں کام کی معلومات کی آبیاری کی ہوتی۔ آپ مجھے ایک بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان سے ملا دیجئے، تو میرے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگا کہ اس کی تعلیم میں اس کے باپ کا حصہ زیادہ ہے یا اس کے استاذ کا۔ میں نے آپ کے زیرِ تعلیم رہ کر کیا علم حاصل کیا؟

آپ نے مجھے یہ بتایا تھا کہ فرنگستان (اس دور میں پورے یورپ کو فرنگستان کہا جاتا تھا) محض ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے، جہاں سب سے زیادہ طاقتور بادشاہ پرتگال کا تھا۔ اس کے بعد ہالینڈ کا بادشاہ طاقتور ہوا اور اب انگلینڈ کا بادشاہ سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ یورپ کے دیگر فرمانرواؤں جیسے اسپین اور فرانس کے بادشاہ کے بارے میں آپ نے کہا کہ وہ ہمارے چھوٹے موٹے راجاؤں کی طرح ہیں۔

آپ نے کہا کہ ہندوستان کے شہنشاہ پوری دنیا سے زیادہ عظیم اور باجبروت ہیں۔ ہمایوں، جہانگیر اور شاہ جہاں یہی وہ عظیم بادشاہ ہیں، جنہوں نے پوری دنیا کو فتح کیا اور ساری دنیا کے بادشاہ ان کے باجگزار ہیں۔ ایران، ازبکستان، تاتارستان، برما، پیگو، تھائی لینڈ، چین اور ملیشیا کے بادشاہ تو ہندوستان کے بادشاہ کا نام سن کر ہی کانپنے لگتے ہیں۔

آپ کا علم جغرافیہ قابل تعریف ہے۔ تاریخ پر آپ کی نظر بہت ہی گہری ہے۔ کیا میرے استاذ کے لئے یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ مجھے روئے زمین کی ہر قوم کی خصوصیات سے آگاہ کرتا؟ ہر قوم کے وسائل کیا ہیں؟ اس کی قوت کس چیز میں پوشیدہ ہے؟ اس کی جنگ کا طریقہ کیا ہے؟ اس کا مذہب اور اخلاق و آداب کیا ہیں؟ اس ملک میں کس طرز کی حکومت قائم ہے اور اس کے مفادات کہاں کہاں واقع ہیں؟ تاریخ کے مسلسل مطالعہ کے ذریعہ آپ کو مجھے اس بات سے آگاہ کرنا تھا کہ حکومتیں کس طرح بنتی ہیں، انہیں کس طرح عروج حاصل ہوتا ہے اور وہ کن عوامل کے باعث زوال پذیر ہوا کرتی ہیں۔ ایسے کون سے واقعات، حوادث اور غلطیاں ہوا کرتی ہیں، جن کی بدولت بڑی تبدیلیاں اور عظیم انقلاب رونما ہوا کرتے ہیں؟

انسانیت کی تاریخ کا یہ تفصیلی علم تو بہت دور کی بات ہے، میں تو آپ سے اپنی اس سلطنت کے بانیوں اور اپنے آباء واجداد کے نام تک نہیں سیکھ سکا۔ آپ نے مجھے ان کی زندگیوں سے مکمل طور پر لاعلم رکھا۔ ان پر کیا واقعات گزرے؟ اور ان کی وہ کیا غیر معمولی صلاحیتیں تھیں، جن کی بدولت انہوں نے بے پناہ فتوحات حاصل کیں؟ یہ سب آپ نے مجھے نہیں بتایا۔

ایک بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے گردونواح میں بسنے والی اقوام کی زبانوں سے واقف ہو۔ آپ نے مجھے عربی پڑھنی اور لکھنی سکھائی۔ آپ نے میری زندگی کا بڑا حصہ ایسی زبان کی تعلیم میں صرف کر دیا، جسے دس سے بارہ سال تک استعمال کئے بغیر کوئی شخص بھی اس میں مہارت کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

ایک بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے گردونواح میں بسنے والی اقوام کی زبانوں سے واقف ہو۔ آپ نے مجھے عربی پڑھنی اور لکھنی سکھائی۔ آپ نے میری زندگی کا بڑا حصہ ایسی زبان کی تعلیم میں صرف کر دیا، جسے دس سے بارہ سال تک استعمال کئے بغیر کوئی شخص بھی اس میں مہارت کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

ایک شہزادے کی تعلیم میں کیا کیا مضامین پڑھائے جانے چاہئیں، آپ نے اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے اسے ضروری قرار دیا کہ اس شہزادے کو صرف ونحو اور فقہ میں مہارت حاصل ہونی چاہئے۔ اس علم کی ضرورت ایک قاضی کو تو ہوسکتی تھی، مگر آپ نے میری جوانی کا بہترین وقت الفاظ کو سیکھنے کے اسی خشک اور بے فائدہ میں ضائع کر دیا۔

آپ نے میرے والد شاہجہاں کو بتایا کہ آپ مجھے فلسفے کی تعلیم دے رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے علم کو میں کئی سال تک رٹتا رہا، جس کے نتیجے میں بے کار اور احمقانہ مسائل میرے دماغ کو چھلنی کرتے رہے۔ ان مسائل کے حل سے کوئی ذہنی سکون حاصل نہ ہوسکتا تھا۔ ان مسائل کا کوئی تعلق عملی زندگی سے نہ تھا۔ ان مشکل اور فضول مسائل کو انتہائی محنت سے سمجھا جا سکتا تھا اور جیسے ہی یاد کرلیا جاتا، یہ ذہن سے فوراً محو ہوجاتے تھے۔ اس کا نتیجہ سوائے ذہنی مشقت اور عقل کی تباہی کے اور کچھ نہ تھا۔ اس کے نتیجے میں ایک شخص باغی اور ذہنی مریض ہی بن سکتا تھا۔ (ان کے فلسفے میں ہمارے فلسفے سے بھی زیادہ نامعقول اور احمقانہ تصورات موجود تھے: برنیئر)

جی ہاں، آپ نے میری زندگی کے قیمتی ترین سال اپنے پسندیدہ مسائل اور نظام میں کھپا دیئے اور جب میں آپ سے فارغ التحصیل ہوا، تو ان فضول اور نامعقول اصلاحات کے ساتھ اہم علوم میں کوئی کامیابی حاصل نہ کرسکتا تھا۔ یہ اصطلاحات تو ایک نوجوان کی مردانہ صلاحیتوں کو زنگ لگا دینے اور اس کے حوصلوں کو پست کر دینے کے لئے کافی تھیں۔ (ان کے فلسفی ہمارے فلسفیوں سے زیادہ الٹے سیدھے تصورات پیش کیا کرتے تھے: برنیئر)۔

فلسفے کی یہ اصطلاحات اس لئے ایجاد کی گئیں، تاکہ فلسفے سے ناآشنا افراد پر جھوٹا رعب جمایا جاسکے۔ آپ کے جیسے حضرات یہ خیال دوسروں پر مسلط کرتے ہیں کہ صرف ہمیں ہی ایسی حکمت و دانش حاصل ہے۔ ان کا فلسفے کا یہ ذخیرہ تاریک اور غیر واضح ہے، جو ان پراسرار علوم کو چھپائے ہوئے ہے، جو صرف ان فلسفیوں ہی کو معلوم ہیں۔

ہماری عظمت اس میں نہیں ہے کہ ہم کبھی نہ گریں، بلکہ ہماری عظمت اس میں ہے کہ ہر مرتبہ گرنے کے بعد ہم اٹھ کھڑے ہوں: کنفیوشس

اگر آپ نے مجھے ایسے فلسفے کی تعلیم دی ہوتی، جو کہ ذہن کو معقول انداز میں سوچنے کے قابل بناتا اور صرف مضبوط دلائل کی بنیاد پر ہی مطمئن ہوسکتا۔ اگر آپ نے مجھے ایسا سبق دیا ہوتا، جو کہ روح کا تزکیہ کرتا اور اسے اتنا مضبوط بناتا کہ یہ تقدیر کے لکھے ہوئے کو بآسانی سہہ جائے۔ اگر آپ مجھے انسان کی فطرت سے ہی آگاہ کر دیتے۔ مجھے کائنات کی فطرت کے بنیادی اصولوں سے ہی روشناس کروا دیتے۔ آفاق کا حقیقی اور یقینی علم مجھے عطا کرتے اور یہ بتا دیتے کہ اس کائنات کے مختلف حصے کس طرح ایک ترتیب کے ساتھ حرکت میں ہیں، تو میں آپ کا اس سے زیادہ احسان مند ہوتا، جیسا کہ اسکندر، ارسطو کا احسان مند تھا۔ میں آپ کو اس سے کہیں مختلف انعام دیتا، جو ارسطو کو اسکندر سے ملا تھا۔

ایک شہزادے کی تعلیم میں کیا کیا مضامین پڑھائے جانے چاہئیں، آپ نے اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے اسے ضروری قرار دیا کہ اس شہزادے کو صرف ونحو اور فقہ میں مہارت حاصل ہونی چاہئے۔ اس علم کی ضرورت ایک قاضی کو تو ہوسکتی تھی، مگر آپ نے میری جوانی کا بہترین وقت الفاظ کو سیکھنے کے اسی خشک اور بے فائدہ میں ضائع کر دیا۔

میری خوشامد کرنے والے استاذ صاحب! مجھے جواب دیجئے۔ کیا آپ کی یہ ذمہ داری بھی نہ تھی کہ کم از کم زندگی میں ایک ہی بار مجھے وہ علوم سکھا دیئے ہوتے، جو کہ ایک بادشاہ کیلئے ضروری ہیں۔ آپ مجھے یہی بتا دیتے کہ مستقبل میں مجھے اپنی بقاء اور تخت و تاج کے لئے اپنے ہی بھائیوں کے خلاف تلوار اٹھانا پڑے گی۔ یہ بات تو اتنی معروف ہے کہ ہندوستان کے ہر بادشاہ کے بیٹوں کا مقدر یہی بن چکا ہے۔

کیا آپ نے کبھی بھی مجھے جنگی علوم کی تعلیم دی؟ کسی شہر کا محاصرہ کیسے کرنا ہے؟ میدان جنگ میں افواج کو کس طرح ترتیب دینا ہے؟ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ ان معاملات میں میں نے آپ سے زیادہ عقل مند دماغوں سے مشورہ کرلیا۔ اب بہتر یہی ہے کہ آپ اپنے گاؤں تشریف لے جائیں، تاکہ کسی شخص کو یہ معلوم نہ ہوسکے کہ آپ کیا ہیں اور آپ کے علم کے نتائج کیا ہیں۔

مغلوں کو ہندوستان سے عشق ہوگیا تھا

مسلم حکمرانوں نے ہندوستان کو چار چاند لگائے

تحریر: سید عبداللہ علوی

ہندوستان کی سرزمین پر سینکڑوں برس مسلمانوں کی حکمرانی رہی۔ان کا دور حکومت امن وسلامتی اور مسلم وغیر مسلم کے درمیان رواداری وانصاف کا آئینہ تھا۔ان ہی حکمرانوں میں سلطان قطب الدین ایبک بھی ایسے ہی ایک نیک اور انصاف پسند حاکم تھے' جنہوں نے اپنے محل کے باہر زنجیر انصاف لٹکا رکھی تھی کہ اگر کسی کی حق تلفی ہوتی ہے یا اس پر ظلم کیا جاتا ہے' تو مظلوم بلا جھجک اور بے خوف وخطر سلطان تک انصاف کی گہار لگا سکے۔ یہی وہ انصاف پسند مسلم فرمانروا تھے، جس نے جرم کی پاداش میں اپنے ہی بیٹے کو قصوروار پائے جانے پر اسلامی احکام انصاف پر عمل کرتے ہوئے سر عام کوڑے لگوائے۔

غیاث الدین بلبن، جن کا دور حکومت امن و سکون اور خوشحالی میں میں ایک مثال رکھتا ہے' اس دور کے ہندوؤں نے خود ان کے دور حکومت کی تعریف کی ہے، جس پر آج بھی تاریخی شہادت موجود ہے۔ دہلی کے قریب پالم میں 1280 عیسوی کا سنسکرت میں لکھا ایک کتبہ دستیاب ہوا، جس میں غیاث الدین بلبن کے دور حکومت کی تعریف کرتے ہوئے اس دور کے ہندو مؤرخین کا اعتراف یوں ملتا ہے کہ "بلبن کی سلطنت میں آسودہ حالی ہے۔اس کی بڑی اور اچھی حکومت میں غور سے غزنہ اور دراوڑ سے رامیشوری تک ہر جگہ بہار کی دل آویزی ہے۔اس کی افواج نے ایسا امن وامان قائم کیا ہے' جو ہر شخص کو حاصل ہے۔سلطان اپنی رعایا کی خبر گیری اتنی اچھی طرح کرتا ہے کہ خود وشنو (ہندوؤں کا دیوتا) دنیا کی فکر سے آزاد ہوکر دودھ کے سمندر میں جا کر سو رہے۔"

سلطان علاؤالدین خلجی' جن کے متعلق شرپسند طاقتوں نے جھوٹ کے پلندے باندھے اور سماج کے اتحاد کو منتشر کرنے کیلئے نفرتوں کی دیوار کھڑی کرتے ہوئے من گھڑت تاریخ مرتب کروائی، جب کہ ان کے انصاف کی گواہی آج بھی تاریخ کے سینہ میں صحیفوں کی شکل میں موجود ہے۔ سلطان محمد بن تغلق بھی تاریخ ہند کے ایسے ہی مسلم فرمانروا تھے، جنھیں اسلام مخالف طاقتوں نے ظالم بادشاہ کے طور پر پیش کیا، جب کہ ان کے انصاف کی گواہی دیتے ہوئے اس دور کے مؤرخین کا کہنا ہے کہ، ہفتہ میں ایک روز سلطان دربار عام منعقد کرکے مظلوموں کی فریادرسی کرتے۔ دربار میں چار مفتی مقرر تھے، جو اسلامی شریعت کی روشنی میں احکام سناتے اور سلطان اس کے مطابق فیصلہ کرتے، حتیٰ کہ سلطان نے ان مفتیوں کو متنبہ کر رکھا تھا کہ اگر کوئی بے قصور ان کے فیصلوں کے سبب تہہ تیغ کو پہنچا' تو اس کا خون ناحق ان ہی کی گردن پر ہوگا۔

ہندوستان کے مشہور مسلم فرمانروا "شیر شاہ سوری" کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ شیر شاہ سوری مساوات اور ہندو مسلم رواداری کا پیکر تھے۔ان کی رعایا پروری کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ انھوں نے یہ اعلان کیا تھا، "اگر کسی نے میری رعایا کے کسی بھی فرد پر ظلم کیا' تو میں اس پر بجلی بن کر گروں گا اور اس کو مٹا کر ہی دم لوں گا۔"

ہندوؤں پر ان کی توجہ اور کرم فرمائیوں کا ثبوت اس اقدام سے ملتا ہے کہ 'غیر مسلموں کی عبادت گاہیں بالکل محفوظ رہیں۔ ان عبادت گاہوں کی جو مسلم حاکم حفاظت نہیں کرے گا، اسے معزول کردیا جائے گا۔"

مغل اگرچہ باہر سے آئے تھے' لیکن شاہان مغلیہ نے ہندوستان کو اپنا وطن بنالیا۔ اس ملک سے انھوں نے اس طرح محبت کی' جیسے ایک بادشاہ اپنے مادر وطن سے محبت کرتا ہے اور حکومت بھی ایسی ہی کی۔ سلطنت مغلیہ کے نامور بادشاہوں نے اپنے اپنے ادوار میں انصاف پسند ومساوات پر مبنی رعایا پرور اور روادارنہ طرز کی مثالی حکومت کی۔ مغلیہ سلطنت کے بانی ظہیر الدین بابر نے اپنی کتاب "تزک بابری" میں ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ،فوج "بھیرہ" سے گزر رہی تھی' تو سپاہیوں نے "بھیرہ" والوں کو ستایا۔ حکام نے فوراً ان سپاہیوں کو گرفتار کرکے بعض کو سزائے موت کا حکم دیا اور بعض کی ناکیں کٹوا کر تشہیر کرائی۔

ایسا ہوتا ہے "انصاف"۔ ہندوستان میں اسلامی دور حکومت کا منصفانہ کردار مغل بادشاہ "جہانگیر" کا معاملہ تو اس سلسلہ میں مزید سخت تھا۔ وہ روزانہ دو گھنٹے عوام کی شکایتیں سنتا، یہاں تک کہ دوران سفر بھی اس معمول کا اہتمام کرتے، روزانہ تین تین گھنٹے مظلوموں کی فریاد سنی جاتیں اور ظالموں کو بلا امتیاز وتفریق سزا دی جاتی تھی۔ مغل بادشاہوں کی تعمیرات میں "دیوان عام" کی تعمیر اس بات کا بین ثبوت ہے کہ دربار میں عوام وخواص کو بلاتردد و بلا تامل اپنی شکایات بادشاہ کے روبرو پیش کرنے اور انصاف مانگنے کی اجازت تھی۔ یہاں بادشاہ نہ صرف عوام کی شکایات سنتا' بلکہ خود فریقین سے جرح کرتا اور فیصلہ صادر کرتا تھا۔ فیصلوں میں انصاف کا اس قدر اہتمام برتا جاتا کہ اگر مجرم حکومت کا بڑے سے بڑا عہدیدار یا شاہی خاندان کا فرد بھی ہوتا' تو اسے بھی سزا دینے سے تامل نہ کیا جاتا۔

مغل بادشاہوں میں شہنشاہ اکبر اعظم، جہانگیر اور تاجدار مغلیہ اورنگ زیب عالمگیر جیسے بادشاہوں نے انصاف و اسلامی رواداری کے وہ ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں، جن پر آج بھی تاریخی شہادتیں موجود ہیں۔ شہنشاہ جہانگیر ایک امن پسند، منصف المزاج اور رعایا پرور بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے دربار میں اہم عہدوں پر کئی ہندوؤں کو مامور کیا۔ متھرا میں "گوبند دیوی" مندر کی تعمیر کیلئے زمین دی۔

اکبر نے ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کو وسیع کرنے کے لئے یہاں کی چھوٹی بڑی غیر مسلم ریاستوں کے راجے، رجواڑوں اور راجپوتوں سے دوستانہ تعلقات قائم کئے، نہ صرف یہ کہ بڑی تعداد میں غیر مسلم سپاہیوں کو اپنی فوج میں جگہ دی' بلکہ اعلیٰ عہدوں پر انھیں مامور کیا اور اپنے دربار خاص میں بھی انھیں جگہ دی۔ اکبر اعظم نے بیربل اور تان سین جیسی غیر مسلم اور قابل وہونہار شخصیات اپنے دربار میں رکھیں' یہی نہیں' بلکہ اکبر نے ان کے مذہبی سفر سے ٹیکس معاف کیا اور مندروں کی تعمیر کرائی۔

اورنگ زیب عالمگیر ہندوستان کی تاریخ اور مغلیہ سلطنت کا ایسا بادشاہ گزرا ہے، جس پر اسلام دشمن، متعصب اور حاسد مؤرخین نے بے بنیاد اور بے جا الزامات عائد کرکے انھیں ایک ظالم بادشاہ بنا کر پیش کیا، جب کہ اس کی فوج اور اس کے قلمرو کی ریاستیں' جو گواہیاں پیش کرتی ہے' ان سے اس پر لگے الزامات کی تردید خود تاریخ پیش کردیتی ہے۔ یہ تاریخ کے ساتھ ایک بہت بڑا مذاق اور کھیل ہے' جو ہر دور میں مخالفین حکمرانوں کی جانب سے کھیلا جاتا رہا۔ اورنگ زیب عالمگیر اگر ظالم اور ہندو مخالف بادشاہ ہوتا' تو اس کی فوج میں نہ ہندو فوجی ہوتے اور نہ ہی اعلیٰ عہدوں پر مامور ہندو عہدیدار۔ ایک ہندو مصنف "اچاریہ پرفل چندرائے" نے اورنگ زیب عالمگیر کی فوج میں ہندو عہدیداران کی تقرری کے حوالے سے لکھا ہے کہ "شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد میں سلطنت کے اندر بڑی بڑی ذمہ داری کے عہدے ان کو ملے ہوئے تھے۔"

(باقی صفحہ 29 پر)

ہندوستان کے مشہور مسلم فرمانروا "شیر شاہ سوری" کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ شیر شاہ سوری مساوات اور ہندو مسلم رواداری کا پیکر تھے۔ان کی رعایا پروری کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ انھوں نے یہ اعلان کیا تھا، "اگر کسی نے میری رعایا کے کسی بھی فرد پر ظلم کیا' تو میں اس پر بجلی بن کر گروں گا اور اس کو مٹا کر ہی دم لوں گا۔"

جب بنارس بنا اورنگ زیب کے انصاف کا گواہ

سپہ سالار کی ہوس سے کیسے بچایا ایک ہندو لڑکی کو

تحریر: عبدالناصر

عظیم مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت میں کاشی بنارس میں ایک پنڈت کی لڑکی تھی؛ جس کا نام شکنتلا تھا۔ اس لڑکی کو ایک مسلمان ظالم سپہ سالار نے اپنی ہوس کا شکار بنانا چاہا اور اس نے شکنتلا کے باپ سے کہا کہ اپنی بیٹی کو ڈولی میں سجا کر میرے محل پہ 7 دن میں بھیج دینا۔ پنڈت نے یہ بات اپنی بیٹی سے کہی۔ ان کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔ پنڈت سے بیٹی نے کہا کے ایک ماہ کا وقت لے لو کوئی راستہ نکل آئے گا۔

پنڈت نے سپہ سالار سے جا کر کہا کہ "میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ میں 7 دن میں سجا کر لڑکی کو بھیج سکوں، مجھے ایک ماہ کا وقت دو" سپہ سالار نے کہا "ٹھیک ہے! ٹھیک ایک ماہ کے بعد بھیج دینا، پنڈت نے اپنی لڑکی سے جا کر کہا کہ وقت مل گیا ہے اب؟ لڑکی نے مغل شہزادے کا لباس پہنا اور اپنی سواری کو لے کر دہلی کی طرف نکل گئی۔ کچھ دنوں کے بعد دہلی پہنچی۔ وہ جمعہ کا دن تھا اور جمعہ کے دن حضرت اورنگ زیب عالمگیر نماز کے بعد جب مسجد سے باہر نکلتے' تو لوگ اپنی فریاد ایک خط میں لکھ کر مسجد کی سیڑھیوں کے دونوں طرف کھڑے رہتے اور اورنگ زیب عالمگیر وہ خط ان کے ہاتھ سے لیتے جاتے اور پھر کچھ دنوں میں فیصلہ (انصاف) کرتے۔ وہ لڑکی (شکنتلا) بھی اس قطار میں جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے چہرے پہ نقاب تھا اور لڑکے کا لباس پہنا ہوا تھا۔ جب اس کے ہاتھ سے خط لینے کی باری آئی' تب اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے ہاتھ پر ایک کپڑا ڈال کر اس کے ہاتھ سے خط لیا،، تب وہ بولی شیخ! میرے ساتھ یہ ناانصافی کیوں؟ سب لوگوں سے آپ نے براہ راست طریقے سے خط لیا اور میرے پاس سے ہاتھ پر کپڑا رکھ کر تب اورنگ زیب عالمگیر نے کہا کہ اسلام میں غیر محرم کو ہاتھ لگانا بھی حرام ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تو لڑکا نہیں لڑکی ہے۔

اس کے بعد شکنتلا بادشاہ کے ساتھ کچھ دن تک ٹھہری۔ اور اپنی فریاد سنائی۔ بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے اس سے کہا بیٹی! تو لوٹ جا' تیری ڈولی سپہ سالار کے محل پہنچے گی اپنے وقت پر۔ شکنتلا سوچ میں پڑ گئی کہ یہ کیا؟ وہ اپنے گھر واپس آئی۔ اس کے باپ پنڈت نے پوچھا کہ کیا ہوا بیٹی؟ تو وہ بولی ایک ہی راستہ تھا' میں ہندوستان کے بادشاہ کے پاس گئی تھی، لیکن انہوں نے بھی ایسا ہی کہا کہ ڈولی اٹھے گی، لیکن میرے دل میں ایک امید کی کرن ہے۔ وہ یہ کہ میں جتنے دن وہاں رکی' بادشاہ نے مجھے 15 بار بیٹی کہہ کر پکارا تھا اور ایک باپ اپنی بیٹی کی عزت نیلام نہیں ہونے دے گا' پھر وہ دن آیا' جس دن شکنتلا کی ڈولی سج دھج کے سپہ سالار کے محل پہنچی۔ سپہ سالار نے ڈولی دیکھ کے اپنی عیاشی کی خوشی میں فقیروں کو پیسے لٹانا شروع کر دیا' جب وہ پیسے لٹا رہا تھا' تب ایک کمبل پوش فقیر جس نے اپنے چہرے پہ کمبل اوڑھ رکھا تھا' اس نے کہا "میں ایسا۔ویسا فقیر نہیں ہوں، میرے ہاتھ میں پیسے دے" اس نے ہاتھ میں پیسے دیئے اور اس نے اپنے منہ پر سے کمبل ہٹایا' تو سپہ سالار دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا' کیونکہ اس کمبل میں کوئی فقیر نہیں' بلکہ اورنگ زیب عالمگیر خود اس کے سامنے تھا۔ انہوں نے کہا کہ تیرا ایک پنڈت لڑکی کی عزت پہ ہاتھ ڈالنا مسلمان حکومت پہ داغ لگا سکتا ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر نے انصاف کیا۔ 4 ہاتھی منگوا کر سپہ سالار کے دونوں ہاتھ اور پاؤں باندھ کر مختلف سمت میں ہاتھیوں کو دوڑا دیا گیا اور سپہ سالار کو چیر دیا گیا' پھر آپ نے پنڈت کے گھر میں ایک چبوترہ تھا' اس کے پاس دو رکعت نماز نفل شکرانے کی ادا کی اور دعا کی کہ "اے اللہ! میں تیرا شکر گزار ہوں، کہ تو نے مجھے ایک غیر مسلم لڑکی کی عزت بچانے کیلئے، انصاف کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

تب شکنتلا کے باپ (پنڈت) اور کاشی بنارس کے دوسرے ہندو بھائیوں نے اسی مقام پر ایک مسجد تعمیر کی، جس کا نام "دھنیڈا کی مسجد" رکھا گیا اور پنڈتوں نے اعلان کیا کہ یہ بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے انصاف کی خوشی میں ہماری طرف سے ہے اور سپہ سالار کو جو سزا دی گئی' وہ انصاف ایک سونے کی تختی پر لکھا گیا تھا' جو آج بھی دھنیڈا کی مسجد میں موجود ہے۔ اورنگ زیب کاشی بنارس کی ایک تاریخی مسجد (دھنیڈا کی مسجد) یہ ایک ایسی تاریخ ہے' جسے تاریخ کے صفحات سے تو ہٹا دیا گیا ہے' لیکن منصفانہ انسان اور حق پرست لوگوں کے دلوں سے (خواہ وہ کسی بھی قوم کا انسان ہو) مٹایا نہیں جا سکتا اور قیامت تک انشاءاللہ مٹایا نہیں جا سکے گا۔ اللہ ہمیں بھی سچائی پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

اورنگ زیب عالمگیر نے انصاف کیا۔ 4 ہاتھی منگوا کر سپہ سالار کے دونوں ہاتھ اور پاؤں باندھ کر مختلف سمت میں ہاتھیوں کو دوڑا دیا گیا اور سپہ سالار کو چیر دیا گیا' پھر آپ نے پنڈت کے گھر میں ایک چبوترہ تھا' اس کے پاس دو رکعت نماز نفل شکرانے کی ادا کی اور دعا کی کہ "اے اللہ! میں تیرا شکر گزار ہوں، کہ تو نے مجھے ایک غیر مسلم لڑکی کی عزت بچانے کیلئے، انصاف کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

اورنگ زیب عالمگیر کا کتب خانہ

تحریر: اشرف علی

اورنگ زیب عالمگیر (1658ء-1707ء) مغلیہ دور کا ایسا صاحب ایمان اور سیف و قلم بادشاہ تھا کہ اس کو برصغیر میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور اسلامی تشخص کے قیام کی خاطر اپنی عمر کا بیشتر حصہ ان قوتوں کے خلاف جدوجہد میں صرف کرنا پڑا' جو جنوبی ایشیا میں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو حسب سابق اپنے اندر ضم کر کے مہابھارت کے قیام کا خواب دیکھ رہے تھے۔ برصغیر کی تاریخ میں جین، بودھ اور دوسری مذہبی تحریکوں کو ختم کرنے کیلئے متعصب ذہنوں نے یہی حربہ استعمال کیا تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر اپنے وقت کا جید عالم تھا۔ وہ دینی اور دنیاوی دونوں علوم سے بخوبی آگاہ تھا۔ وہ نہایت ذہین، منصف مزاج اور اعلیٰ تنظیمی صلاحیتوں کا مالک اور سب سے بڑھ کر بہادر اور نیک مسلمان فرمانروا تھا۔ بعض ہندو مؤرخین نے عالمگیر کو پکا مذہبی اور متعصب حکمران کے نام سے بھی پکارا ہے' مگر وہ ایسا صاحب عدل و انصاف، باحیا اور رعایا کا غم خوار بادشاہ تھا کہ وہ اکبر کی طرح اپنے آپ کو بے دین اور خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر نہیں سمجھتا تھا۔ اکبر کی طرح ہر مذہب و ملت کی جا بجا ہمدردیاں سمیٹتا نہیں پھرتا تھا۔ اس نے اپنے سے پیشتر فرمانرواؤں کی روش اور سیاسی جوڑ توڑ کی پالیسیوں سے ہٹ کر ایک صاف ستھری اور عام لوگوں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھنے والی حکومت کے قیام کیلئے جدوجہد کی اور تقریباً 50 سالہ دور حکومت میں زیادہ تر وقت باغی شرپسندوں اور متعصب مرہٹوں کی سرکوبی میں صرف کیا۔ کاش اورنگ زیب سے قبل بھی مغل حکمران ایسے ہی دین دار، خدا ترس اور بہادر سپاہی ہوتے' تو برصغیر کا نقشہ آج بہت مختلف ہوتا۔ ان حالات کے باوجود عالمگیر نے جہاں دینی علوم کیلئے بہت سے مدرسے اور کالج قائم کئے اور ان کے ساتھ معیاری ادب سے بھرے ہوئے کتب خانوں کا قیام بھی لازمی سمجھا۔ وہ کتابوں سے والہانہ شغف رکھتا تھا۔ خود بہت بڑا عالم تھا۔ شورشوں اور بغاوتوں کی سرکوبی کے دوران جب بھی وقت ملتا' تو دینی علوم پر عربی اور فارسی کتب کا مطالعہ کرتا۔ فارسی زبانوں پر بھی عبور تھا۔ خود حافظ قرآن تھا اور یہی تعلیم اپنی اولاد کو بھی دلوائی۔ دینی مدارس میں زیر تعلیم طلباء کی کفالت بھی شاہی خزانے سے کی جاتی تھی۔ اورنگ زیب شاہی کتب خانہ میں اچھی کتابوں کا اضافہ کرتا رہتا تھا۔ بادشاہ اچھی کتابیں پیش کرنے والوں کو معقول معاوضہ ادا کرتا تھا' چنانچہ جب بیجاپور کو فتح کیا' تو ابراہیم عادل شاہ کے کتب خانے کی نادر کتب شاہی کتب خانہ میں محفوظ کرا دیں۔ اسی طرح محمود گاواں کے مجموعہ کتب کو بیدر سے حاصل کر کے شاہی لائبریری میں داخل کیا۔ فتاویٰ عالمگیر اسلامی قوانین پر مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ محمد صالح شاہی کتب خانے کا لائبریرین تھا۔ عالمگیر جیسا متقی اور پرہیزگار بادشاہ مخالفین سلطنت کی سرکوبی کرتے ہوئے 3 مارچ 1707ء کو حیدر آباد دکن میں انتقال کر گیا۔

بعض ہندو مؤرخین نے عالمگیر کو پکا مذہبی اور متعصب حکمران کے نام سے بھی پکارا ہے' مگر وہ ایسا صاحب عدل و انصاف، باحیا اور رعایا کا غم خوار بادشاہ تھا کہ وہ اکبر کی طرح اپنے آپ کو بے دین اور خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر نہیں سمجھتا تھا۔ اکبر کی طرح ہر مذہب و ملت کی جا بجا ہمدردیاں سمیٹتا نہیں پھرتا تھا۔

اورنگ زیب پر

ہندو دشمنی کے تمام الزام بے بنیاد اور جھوٹے ہیں

سلیم کریم نگری

مغل تاریخ میں اورنگ زیب اس لحاظ سے یقیناً ایک بدنصیب بادشاہ ہے کہ اس کے دامن پر تعصب' بت شکنی اور ہندوکشی کے بے شمار داغ لگائے گئے ہیں' حالانکہ اورنگ زیب دوسرے مغل بادشاہوں کی طرح انصاف پسند اور رواداربادشاہ تھا' لیکن افسوس کہ اس نیک نفس بادشاہ کو مندروں کو مسمار کرنے اور ہندوؤں پر بیجا مظالم ڈھانے کے بے بنیاد الزامات کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اگر غیر جانب داری سے تاریخی حقائق کا مطالعہ کیا جائے' تو ان الزامات کی حیثیت نقش برآب سے زیادہ نہیں۔ یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ اورنگ زیب کے اراکین دربار میں صرف مسلمان ہی نہیں' بلکہ بے شمار ہندو بھی اعلیٰ اور اہم عہدوں پر فائز تھے۔ اگر اورنگ زیب کو ہندوؤں سے نفرت ہوتی' تو وہ حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر غیر مسلموں کو برداشت نہ کرتا۔ اس کے علاوہ اورنگ زیب نے اپنے دور حکومت میں کتنے ہی مندروں کے مصارف کے لئے کئی مواضعات وقف کردیئے تھے۔ رام نارائن اپنی تصنیف ''شاہ عالمگیر پر ایک تاریخی نظر'' میں لکھتے ہیں کہ متھرا سے تھوڑے فاصلے پر بلدیو جی کا ایک مندر ہے۔ اس مندر کے لئے بادشاہ عالمگیر نے کئی مواضعات وقف کردیئے تھے' جو اب تک مندر مذکورہ کے قبضہ میں ہیں۔

اگر اورنگ زیب مندروں کو مسمار کرنے کا شائق ہوتا' تو بلدیو جی کے مندر کے لئے مواضعات وقف کیوں کرتا۔ درحقیقت اورنگ زیب کے دامن پر منادر شکنی ایک ایسا گمراہ کن الزام ہے' جس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ اگر اورنگ زیب کو منادر شکنی کا شوق ہوتا' تو آج ہندوستان میں ایک بھی مشہور اور شاندار مندر نظر نہ آتا۔ مالوہ' بندیل کھنڈ اور ایلورا کے مشہور ومعروف مندر کھنڈر ہو چکے ہوتے۔

اورنگ زیب نے ہندوستان پر تقریباً پچاس سال تک حکومت کی۔ اگر وہ چاہتا' تو اپنے پچاس سالہ دور حکومت میں لاتعداد مندروں کو ڈھا سکتا تھا۔ مشہور مؤرخ لی بان اپنی کتاب تمدن ہند میں ایک جگہ لکھتا ہے کہ اگر اورنگ زیب بت شکن اور مندروں کو مسمار کرنے کا شوقین تھا' تو تعجب ہے کہ اس نے اپنے پچاس سالہ دور حکومت میں مالوہ اور بندیل کھنڈ کے کثیر التعداد شاندار مندروں کی مسماری سے اپنا شوق پورا کیوں نہیں کیا؟

درحقیقت اورنگ زیب نہ بت شکن تھا' نہ اسے مندروں سے کوئی بغض تھا۔ اس کی رواداری اور بے تعصبی کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہوگا کہ دریائے جمنا کے کنارے واقع الہ آباد کے قلع کے تہہ خانے میں آج تک ایک مندر موجود ہے۔ اگر شہنشاہ اورنگ زیب کو مندروں سے نفرت ہوتی' تو وہ اپنے مقبوضہ قلعہ میں کسی مندر کا وجود نہ برداشت کرتا۔ ان تاریخی حقائق کی موجودگی میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اورنگ زیب مذہبی معاملوں میں متعصب اور تنگ نظر نہیں' بلکہ تمہارے لئے تمہارا دین اور ہمارے لئے ہمارا دین کا قائل تھا۔

اورنگ زیب پر ایک گمراہ کن الزام یہ بھی عائد کیا جاتا ہے کہ وہ ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بننے کے لئے مجبور کرتا تھا' ورنہ ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتا تھا۔ کتنا بے بنیاد اور غلط الزام ہے۔ ایک نیک نفس اور پاک طینت بادشاہ پر اورنگ زیب کے دربار میں بے شمار ہندو اراکین تھے۔ فوج میں ہزاروں ہندو سپاہی تھے' مگر اورنگ زیب نے کسی کو مسلمان بننے پر مجبور نہیں کیا۔ اگر اسے زبردستی مسلمان بنانے کا اتنا ہی شوق ہوتا' تو وہ شیواجی کے پوتے ساہو جی کو بآسانی مسلمان بنا سکتا تھا' جو بچپن سے ہی اس کے زیر کفالت تھا۔ سنبھاجی کی گرفتاری کے ساتھ اس کا 7 سالہ بیٹا ساہو جی بھی گرفتار ہوا تھا اور اس کی پرورش کے سلسلے میں اورنگ زیب نے جس نیک نفسی اور رواداری اور فیاضی کا ثبوت دیا' وہ اسے فرشتہ صفت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ اورنگ زیب نے ساہو جی کی تعلیم وتربیت کے لئے ایک لائق اتالیق مقرر کیا اور حکم دیا کہ اس کی پرورش اس کے آبائی مذہب پر کی جائے۔ اگر اورنگ زیب ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنانے کا شائق ہوتا' تو وہ بآسانی اس 7 سالہ بچے کو اسلام کے سانچے میں ڈھال سکتا تھا۔ اورنگ زیب کی رواداری اور فیاضی کی انتہا یہ ہے کہ اس نے اس سات سالہ لڑکے کو ہفت ہزاری کا منصب بخشا اور راجہ کے خطاب سے نوازا۔ جب وہ جوان ہوا' تو بھاروجی مرہٹہ کی لڑکی سے اس کی شادی کردی اور یہ شادی بالکل ہندو رسم ورواج کے مطابق ہوئی۔ اس واقعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اورنگ زیب مذہبی معاملات میں انتہائی وسیع النظر اور روادار بادشاہ تھا۔ مشہور مؤرخ الفسٹن اپنی تصنیف 'تاریخ ہند' میں لکھتا ہے۔

''ایسا کہیں نہیں معلوم ہوتا کہ کسی ہندو نے مذہب کی وجہ سے سزائے جان ومال یا قید برداشت کی ہو یا کسی شخص سے اس کے آبائی طریق پر کھلم کھلا پرستش کے لئے باز پرس کی گئی ہو''۔

کس قدر افسوسناک امر ہے کہ ایک منصف مزاج روادار اور نیک نفس بادشاہ کو متعصب ہندوؤں سے نفرت کرنے والا اور ان پر مظالم ڈھانے والا بادشاہ ثابت کیا جاتا ہے۔ اگر شہنشاہ اورنگ زیب ہندوؤں پر بیجا مظالم ڈھانے کا عادی ہوتا' تو وہ ایک برہمن گھنشیام داس کی شکایت پر اپنے بھانجے مرزا تفاخر پر کوڑوں کی بارش نہ کرتا۔ مرزا تفاخر اورنگ زیب کی بہن قمر النساء بیگم کا بیٹا تھا۔ اور دہلی میں مدار المہام کے عہدے پر فائز تھا۔ یہ شخص انتہائی اوباش اور عیاش تھا۔ ایک دن اس کے کسی مصاحب نے اطلاع دی کہ ایک برہمن اپنی نئی نویلی دلہن کی ڈولی لئے حضور کے دولت کدہ کے آگے سے گزر رہا ہے۔ اگر حکم ہو' تو ڈولی برہمن کے حجلہ عروسی کے بجائے حضور کے شبستان میں پہنچادی جائے۔ عیاش مرزا تفاخر کی رال ٹپک پڑی اور تھوڑی ہی دیر بعد بے چاری دلہن مرزا تفاخر کی خوابگاہ میں پڑی سسک رہی تھی۔ برہمن روتا پیٹتا شہر کوتوال عاقل خاں کے پاس پہنچا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ فرض شناس کوتوال حرکت میں آگیا۔ اس نے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے مرزا تفاخر کی ماں قمر النساء بیگم کو اس سنگین حادثہ کی اطلاع دی۔ قمر النساء بیگم اپنے ناخلف بیٹے کی اس مذموم حرکت پر آگ بگولہ ہوگئی اور بیٹے کو لعنت وملامت کرنے کے بعد برہمن کی دلہن کو بحفاظت اس کے گھر پہنچادیا' لیکن یہ معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا۔ اس حادثہ کی اطلاع جب اورنگ زیب کو ہوئی' تو اس کے غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے فوراً حکم جاری کیا کہ اس ملعون کو گرفتار کرکے قلعہ میں بند کردو اور پچاس مسلح سپاہی اس کی نگرانی پر مامور کردو' تاکہ وہ بھاگ نہ جائے۔ تفاخر کو میں خود اپنے ہاتھ سے پچاس کوڑے ماروں گا' اس لئے کہ کوئی دوسرا افسر تفاخر کو شہنشاہ کا بھانجہ ہونے کی وجہ سے بے دریغ کوڑے نہ لگا سکے گا۔ کیا یہ واقعہ اس بات کا ناقابل تردید ثبوت نہیں کہ اورنگ زیب ایک انصاف پسند اور روادار بادشاہ تھا اور امور سلطنت میں وہ مذہبی تعصب سے قطعی بے نیاز تھا' لیکن افسوس کہ اس نیک نفس اور وسیع النظر بادشاہ کو بدنام کرنے کیلئے بے بنیاد اور گمراہ کن الزامات لگائے جاتے ہیں' حالانکہ اورنگ زیب بھی دوسرے مغل بادشاہوں کی طرح بلاشبہ ایک منصف مزاج اور فیاض بادشاہ تھا۔

دریائے جمنا کے کنارے واقع الہ آباد کے قلعہ کے تہہ خانے میں آج تک ایک مندر موجود ہے۔ اگر شہنشاہ اورنگ زیب کو مندروں سے نفرت ہوتی' تو وہ اپنے مقبوضہ قلعہ میں کسی مندر کا وجود نہ برداشت کرتا۔

شہنشاہ اورنگ زیب ہندوؤں پر بیجا مظالم ڈھانے کا عادی ہوتا' تو وہ ایک برہمن گھنشیام داس کی شکایت پر اپنے بھانجے مرزا تفاخر پر کوڑوں کی بارش نہ کرتا۔ مرزا تفاخر اورنگ زیب کی بہن قمر النساء بیگم کا بیٹا تھا۔

اورنگ زیب کی بیٹی زیب النساء

جو علم کا سمندر تھی

اورنگ زیب عالم گیر شہنشاہ ہند اپنی فتوحات کے علاوہ مذہبی اعتبار سے بھی ہندوستان کے مسلمانوں کے نزدیک بہت اہمیت کے مالک ہیں۔ اورنگ زیب کی بیٹی زیب النساء تھی، جو بڑی عالم اور فاضل خاتون گذری ہے۔ یہ دلرس بانو بیگم کے بطن سے پیدا ہوئی اور اس نے کلام پاک مریم بیگم سے حفظ کیا۔ اس پر عالمگیر نے اپنی پیاری اور کمسن بیٹی کو 30,000 اشرفی انعام میں دیں۔ پھر شہزادی نے عربی اور فارسی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ملا محمد اشرف مازندرانی اس کے استاد تھے۔ شہزادی اکثر علمی مجالس منعقد کیا کرتی تھی، جن میں نظم ونثر صرف ونحو، ہندسہ ونجوم، معانی وبیان اور ہیت ومرایا پر ملک کے علماء اور فضلاء جمع ہوکر بحث اور مباحثے

اور عربی میں ایک قصیدہ کہا، جس کو عربی داں شعراء کے حلقہ میں بہت پسندیدگی حاصل ہوئی، مگر ایک شاعر نے طنز کیا کہ یہ کسی ہندی کا کلام ہے۔ یہ سن کر شہزادی نے فارسی میں شعر کہنا شروع کیا، کیونکہ فارسی اس کی اپنی زبان تھی، مگر عالمگیر کی دینداری کے خوف سے اپنے اشعار چھپا کر رکھتی رہی۔

زیب النساء لباس کے معاملے میں بھی بے حد باذوق تھی۔ شاہی بیگمات کے لباس میں انگیا کرتی اسی شہزادی کی ایجاد ہے، جس کو فرشی پاجامہ کے ساتھ پہننے سے نسوانی نزاکت میں چار چاند لگ جاتے تھے۔ بادشاہ کا مذہب سے شوق شاہزادی کے لئے بھی راہ نما ثابت ہوا کیونکہ زیب النساء نے اپنے دور میں وہ تمام ہندوانی تہوار منانا بند کردیئے، جو قلعہ کی بیگمات ہندورانیوں کی دیکھا دیکھی منانے

شہزادی اپنا بناؤ سنگھار کر رہی تھی۔ اس نے ایک کنیز کو آئینہ لانے کا حکم دیا۔ ان دنوں آئینے چین سے بن کر آیا کرتے تھے۔ اثنائے راہ میں آئینہ اس بے چاری کنیز کے ہاتھ سے گرا اور ٹوٹ گیا۔ خطاوار کنیز لرز گئی اور اس نے سوچا کہ نہ معلوم کیا سزا ملے گی، کیونکہ یہ ایک نایاب قسم کا آئینہ تھا۔ اپنے اوپر سے آئینہ توڑ ڈالنے کا الزام ہٹانے کیلئے جاکر شہزادی کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوگئی اور کپکپاتی ہوئی بولی۔

کیا کرتے تھے۔ زیب النساء طب روحانی میں بھی حاذق کا درجہ رکھتی تھی اور علم موسیقی میں بھی اسے دسترس حاصل تھی۔ علاوہ ازیں اسے انشاء اور خوش نویسی سے بھی بے حد شوق تھا۔ زیب النساء کی عقل اور دانشوری کا اندازہ اس چیز سے ہوتا ہے کہ آج سے تقریباً 400 سال قبل سولہویں صدی میں اس نے علم ہیئت کے ذریعہ ثابت کیا تھا کہ جن ذروں یا جس مادے سے زمین بنی ہوئی ہے، یا جو مادہ زمین کی فطرت میں مربوط ہے، وہی مادہ اور وہی ذرے آفتاب میں بھی ملے ہوئے ہیں۔ یہ بات سوانح زیب النساء (از حیرت دہلوی) میں تحریر ہے۔

زیب النساء بیگم کی سرکار سے علماء، فضلاء اور خوش نویسوں کا ایک پورا گروہ فیض حاصل کرتا تھا۔ اس کا دربار ایک دارالعلوم کی حیثیت رکھتا تھا، جہاں ہر فن کے لوگ ملازم تھے، جو تحقیق کرتے اور کتب تصنیف تالیف کرتے رہتے تھے۔ یہ تمام کتابیں عموماً شہزادی کے نام موسوم کی جاتی تھیں، یعنی ان کتابوں کے نام کا پہلا جز زیب کا لفظ ہوتا تھا، مثلاً زیب التفاسیر وغیرہ۔ زیب النسا بیگم نے ان علماء اور فضلاء کے لئے ایک کتب خانہ بھی قائم کردیا تھا، جو کہ بے حد اہم کتابوں کا ایک خزانہ تھا۔

زیب النساء نے خود قرآن شریف کی تفسیر لکھنا شروع کی تھی۔ ابھی اس نے تین چار پاروں کی تفسیر ہی لکھی تھی کہ عالمگیر نے اس کو روک دیا۔ اس کے بعد شہزادی نے شاعری کی طرف توجہ مبذول کی

لگی تھیں۔

شہزادی پر الزام ہے کہ وہ شادی کرنا ہی نہیں چاہتی تھی، یہ غلط ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ ان تمام پیغاموں میں سے، جو شادی کی خواستگاری کے لئے آتے تھے، اپنے مزاج کے مطابق کوئی ایسا شہزادہ یا آدمی پسند کرنا چاہتی تھی، جو عالمی اعتبار سے اس کی اپنی ٹکر کا ہو اور ان کو طرح طرح سے آزماتی تھی، کیونکہ وہ علمی حیثیت سے اس کے معیار پر نہیں اترتے تھے، اس لئے انکار کردیتی تھی۔ ایک مرتبہ شاہ عباس ثانی شاہ ایران کے بیٹے مرزا فرخ کا پیغام آیا اور جب شہزادہ آیا، تو دربار کے تمام امراء نے شہزادے کی ضیافتیں بڑی دھوم دھام سے کیں۔ آخر میں خود زیب النساء نے اس کو ایک شاندار

اورنگ آباد میں تاریخی زیب النساء پیلیس

تحریر: شمس الضحیٰ

تقریب میں مدعو کیا، تاکہ اس ایرانی خوبصورت شہزادے کی عالمانہ کیفیت کا اندازہ لگانے شہزادی کا محل بڑی خوبصورتی سے آراستہ کیا گیا تھا اور انواع واقسام کے کھانے دسترخوان پر موجود تھے اور شہزادی نے جو شہر کے معززین مدعو کئے تھے، وہ شہزادے کے ساتھ شریک طعام تھے۔ کھانے میں کئی قسم کے سموسے شاہی باورچیوں کے ہاتھ کے تیار کردہ تھے۔ شہزادی خود حسین زریں لباس میں چلمن کے پیچھے فروکش تھی اور دعوت میں معزز مہمان کی گفتگو اور حرکات وسکنات سے اس کی علمی قابلیت اور تہذیب کا اندازہ لگا رہی تھی۔

شہزادہ مرزا فرخ نے شہزادی کی چلمن کی طرف نظر کرتے ہوئے کہا: "سہ بوسہ میخواہم" بظاہر اس انداز سے کہا کہ جیسے سموسہ کو تلفظ کی غلطی سے بوسہ کہہ دیا ہو، مگر دراصل مقصد مزاح تھا۔ زیب النساء کو اس کی یہ حرکت بہت ناگوار ہوئی۔ اس نے فوراً ہی جواب دیا۔

"از مطبخ مادر طلب"۔

یہ فقرہ ذومعنی تھا۔ ایک معنی یہ کہ ہمارے باورچی خانے سے طلب کرلو، مگر دوسرا مطلب شہزادے کو ذلیل کرنے کے لئے بہت کافی مشکل تھا، یعنی اپنی ماں کے مطبخ سے طلب کرو۔ شہزادے کا چہرہ بالکل فق ہوگیا اور زیب النساء کی شادی نہ ہوسکی۔

ایک بار زیب النساء نے ناصر علی شاعر کو ایک مصرع لکھ کر بھیجا، تاکہ وہ دوسرا مصرع لگائے۔

از ہم نمی شود ز حلاوت جدا لبم

ناصر علی نے مصرع لگایا:

گویا رسید برلب زیب النساء نہم

اس مصرع کو پڑھ کر شہزادی کو بہت غصہ آیا اور اس نے ناصر علی کو یہ شعر لکھا۔

ناصر علی بنام علیمی برد پناہ

ورنہ بذوالفقار علی سر برید مت

ایک روز زیب النساء چمن میں چہل قدمی کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ اس کی خواص امانی بھی تھی۔ یہ امانی بذات خود شاعرہ بھی تھی۔ شہزادی نے ایک شگفتہ پھول کو دیکھ کر امانی سے کہا:

اے امانی گل صد برگ چرا می خندد

امانی نے فی البدیہہ جواب دیا۔

برلقائے خود ز بر غفلت یا می خندد

زیب النساء کا ذوق شاعری اس قدر زیادہ تھا کہ شعراء اپنے عریضے اشعار ہی میں لکھ کر اس کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ ایک شاعر نعمت خاں عالی نے ایک مرصع کلغی فروخت کرنے کیلئے شہزادی کے پاس بھیجی۔ قیمت کی رقم ملنے میں کچھ تاخیر ہوگئی، تو نعمت خاں نے یہ رباعی لکھ کر پیش کی۔

اے بندگیت سعادت اختر من

در خدمت تو عیاں شد جوہر من

گر جیغہ خردنی است پس کو زر من

گر نیست خریدنی بزن بر سر من

ایک روز زیب النساء محل کی چھت پر کھڑی تھی اور لباس سبز تھا، کسی شاعر نے ذرا سی جھلک دیکھ لی اور اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے۔

سبز پوشے بہ لب بام نظر می آید

زیب النساء نے برجستہ جواب دیا۔

نہ بزور ونہ بہ زاری نہ بزر می آید

شہزادی اپنا بناؤ سنگھار کر رہی تھی۔ اس نے ایک کنیز کو آئینہ لانے کا حکم دیا۔ ان دنوں آئینے چین سے بن کر آیا کرتے تھے۔ اثنائے راہ میں آئینہ اس بے چاری کنیز کے ہاتھ سے گرا اور ٹوٹ گیا۔ خطاوار کنیز لرز گئی اور اس نے سوچا کہ نہ معلوم کیا سزا ملے گی، کیونکہ یہ ایک نایاب قسم کا آئینہ تھا۔ اپنے اوپر سے آئینہ توڑ ڈالنے کا الزام ہٹانے کیلئے جاکر شہزادی کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوگئی اور کپکپاتی ہوئی بولی۔

از قضا آئینہ چینی شکست

زیب النساء نے کنیز کی حالت دیکھی اور مسکرا کر بولی۔

خوب شد اسباب خود بینی شکست

یوروپین مؤرخین نے شہزادی اور عاقل خاں کے قصہ کو کافی شہرت دی ہے، حالانکہ یہ ایک بے بنیاد قصہ ہے۔ اس کے لئے صرف یہ کہنا درست ہوگا کہ عاقل خاں بھی شعر کہتا تھا اور اکثر شہزادی کا کوئی شعر اسے پسند آتا، تو وہ شعر ہی میں جواب دیتا تھا۔ مثلاً زیب النساء نے کہا۔

گرچہ من لیلی اساسم دل چو مجنوں در حیات

سر بصحرا میروم الا حیاء زنجیر پاست

اس پر عاقل خاں نے کہا:

عشق تا خام است باشد ناموس وننگ

پختہ مغزان جنوں را کے حیا زنجیر پاست

اس پر بگڑ کر زیب النساء نے کہا۔

پاکبازان حقیقت را حیا باشد مدام

چوں تو مرغ بے حیا را کے حیا زنجیر پاست

ایک بار عاقل خاں نے شاہ عالمگیر کی ملازمت ترک کردی، تو زیب النساء نے کہا:

شنیدم ترک خدمت کرد عاقل خاں بنادانی

اس پر عاقل خاں نے جواب پچھتا رہا تھا۔ جوابی مصرع لکھ کر بھیجا:

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

عاقل خاں کا یہ مصرع آج بھی بطور ضرب المثل استعمال ہوتا ہے۔ زیب النساء کے چند شعر یہ ہیں۔

در ابلق کسے کم دید موجود

مگر اشک مثال سرمہ آلود

رباعی:

دیدہ لبریزم سراپا انتظار کیستم

دوہ دیدارے کہ دارم بے قرار کیستم

مرغ دام افتار را ضیاد میگردد قفس

سخت حیرا گشتہ ام آخر شکار کیستم

بشکند دستے کہ خم در گردن یارے نشد

کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیدارے نشد

صد بہار آخر شد و ہر گل بہ فرقے جا گرفت

غنچہ باغ دل ما زیب دستارے نشد

یہ شعر بھی زیب النساء ہی کا ہے، جس سے پورا نام بھی اس نے ظاہر کیا ہے۔ (باقی صفحہ 29 پر)

اورنگ زیب کے شب و روز

ایک حکمراں جو ہمہ وقت کام کرتا تھا

محمد عارف الرحمان خاں

اورنگ زیب عالمگیر بے حد منصف مزاج تھا اور سلطنت کا نظم ونسق قائم رکھنے کیلئے سخت محنت کرتا تھا۔ پروفیسر علم الدین اس کے ایک دن کے پروگرام میں لکھتے ہیں۔

''عالمگیر اپنی گوناگوں مصروفیتوں کی وجہ سے اپنے آباء واجداد سے بازی لے گیا تھا۔ وہ دن رات کام کرتا' لیکن تھکاوٹ کے نام سے واقف نہیں تھا۔ ڈاکٹر جیلی کریری نے اسے 78 برس کی عمر میں دیکھا تھا اور اس کی مصروفیتوں پر حیران ہوکر اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

''وہ سفید ململ کی پوشاک پہنے ہوئے عصائے پیری کے سہارے افسروں کے جھرمٹ میں کھڑا تھا۔ اس کی پگڑی میں زرد کا ایک ٹکڑا لگا ہوا تھا۔ وہ دادخواہوں کی عرضیاں لیتا اور انہیں بلا عینک پڑھ کر خاص اپنے ہاتھ سے دستخط کرتا جاتا تھا۔ اس کے بشاش بشاش چہرے سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ وہ اپنی مصروفیت سے نہایت شاداں وفرحاں ہے''۔

صبح

عالمگیر بہت صبح اٹھتا اور حوائج ضروریہ سے فارغ ہوکر غسل کرتا' پھر وضو کرکے مسجد میں جا بیٹھتا' نماز باجماعت ادا کرتا۔ اس کے بعد قرآن حکیم کی تلاوت کرتا اور بعدازاں حدیث کے مطالعہ میں مصروف ہوجاتا۔

خلوت گاہ

عالمگیر چاشت کے وقت مسجد سے نکل کر خلوت گاہ میں آتا اور تخت عدل پر جلوہ گر ہوتا۔ عدالت کے داروغہ مظلوموں کی فریاد وغیرہ لے کر آتے۔ بادشاہ ان کی درخواستیں پڑھتا اور مقدمات کے انفصال میں امیر' غریب' آقا' غلام کی مطلق تخصیص نہ کرتا''۔

لین پول لکھتا ہے ''مغل اعظم دریائے اعظم ہے۔ بچے' تلے انصاف سے عموماً فیصلے صادر کرتا ہے۔ اس کے حضور میں سفارش اور امارت کوئی پیش نہیں کی جاتی اور ادنٰی سے ادنٰی کی بات بھی اسی مستعدی سے سنتا ہے' جیسے بڑے امیروں کی''۔

اس کے دربار میں کسی کی روٹ ٹوک نہیں ہوتی تھی۔ ادنٰی سے ادنٰی آدمی جو چاہتا تھا' کہتا تھا۔ اس کے عدل وانصاف کے بے شمار افسانے مشہور ہیں۔ ذکر ہے کہ مرزا کام بخش' جو اورنگ زیب کا سب سے پیارا لڑکا تھا' اس پر قتل کا الزام عائد ہوا۔ اورنگ زیب نے حکم دیا کہ عدالت میں اس کی تحقیق کی جائے اور دوران تفتیش اسے زیر حراست رکھا۔ کام بخش کو جب اس کا پتہ چلا' تو اس کی حمایت کرنے لگا۔ عالمگیر نے کام بخش کو دربار میں بلایا۔ کام بخش اس کو بھی ساتھ لانا چاہتا تھا۔ اورنگ زیب نے حکم دیا کہ اس کو بھی قید کردیا جائے' چنانچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی' لیکن اس قدر سختی اور پابندی کے باوجود اس سے کوئی ظالمانہ فعل سرزد نہیں ہوا۔ لین پول لکھتا ہے اس کے خلاف کسی ظالمانہ فعل کا ثبوت نہیں ملتا۔ (اورنگ زیب 64)

معائنہ

اس سے فارغ ہوکر وہ فوج کا معائنہ کرتا اور اس جماعت کو اچھی طرح دیکھ بھال لیتا' جو نماز جمعہ کے جلوس میں اس کے ہم رکاب ہوتی تھی۔ اس وقت ہاتھی بھی پیش ہوتے اور بعض اوقات ان کی لڑائی بھی کرائی جاتی۔ داروغہ ان ہاتھیوں کو قواعد بھی کراتا' جو لڑائی کے لئے سدھائے جاتے تھے۔

دیوان عام

اس کے بعد دربار عام منعقد ہوتا۔ اس میں سلطنت کے امور عامہ اور ترقی وتنزل کے مراتب طے پاتے۔

دیوان خاص

گیارہ بجے کے قریب بادشاہ دیوان خاص میں جلوہ گر ہوتا۔ یہاں سلطنت کے خاص امور طے پاتے۔ تمام امراء وغیرہ کی بازیابی ہوتی۔ وزیراعظم مختلف صوبوں کی رپورٹ پیش کرتا۔ بعض معاملات میں وزراء کو ہدایت کرتا اور اس کی ہدایت کے بموجب فرمان تیار ہوتے۔ ان پر اپنے دست خاص سے مہر ثبت کرتا۔ اکثر فرامین وہ خود لکھا کرتا تھا۔

حرم سرا

دوپہر کے وقت وہ حرم سرا میں داخل ہوتا۔ کھانا کھاتا اور آرام کرتا۔ بیدار ہوکر غسل کرتا پھر نماز پڑھتا۔

نماز ظہر

نماز سے فارغ ہونے کے بعد بادشاہ رونق افروز ہوتا۔ یہ مقام حرم سرا اور دیوان خاص کے درمیان واقع ہے۔ یہاں سلطنت کے اہم ترین اور پیچیدہ معاملات طے ہوتے۔ ان سے فراغت کے بعد وہ مطالعہ میں مصروف ہوجاتا۔

نماز عصر

مطالعہ کے بعد نماز عصر پڑھتا' پھر امور ملکی میں مشغول ہوجاتا۔ لشکریوں کی درخواستوں کا انفصال' فوج کا بندوبست اور مہمات کے نقشے اسی وقت تیار ہوتے۔ غروب آفتاب سے نصف گھنٹے پیشتر وہ دیوان خاص میں جلوہ گر ہوتا۔ سلطنت کے دخل وخرج پر بحث ومباحثہ ہوتا۔ منصب داروں کا عزل وتقرر بھی اسی وقت ہوتا۔ اذان سننے کے بعد مسجد میں جاکر باجماعت نماز ادا کرتا۔

دیوان خاص

دیوان خاص میں شمع کافوری روشن کی جاتی۔ وزیر محکمہ مالیات کی رپورٹ پیش ہوتی' یہ کارروائی عشاء تک جاری رہتی۔

خواب گاہ

عشاء کے بعد بادشاہ فقہ سیرت اور تاریخ کا مطالعہ کرتا۔ بعدازاں کھانا کھاتا۔ کاظم شیرازی کا بیان ہے کہ وہ دن رات میں صرف تین گھنٹے آرام کرتا تھا۔

بدھ کا دن فقط دربار عدل کے لئے وقف تھا۔ اس دن مفتی اور فضلاء شان وشوکت سے حاضر دربار ہوتے۔ بادشاہ خود مقدمات سنتا اور اپنے ہاتھ سے فیصلے لکھتا۔ جمعرات کو نصف دن کی تعطیل ہوتی۔ کام دن کے نصف حصہ میں ہوتا تھا۔ جمعہ تعطیل عام کا دن تھا۔ اورنگ زیب کی محنت ومشقت کو دیکھ کر اس کے بہی خواہوں کو اندیشہ ہوگیا تھا کہ بادشاہ کی صحت پر اس کا برا اثر پڑے گا۔ اس کے علاوہ بادشاہ کی نگرانی کی وجہ سے امراء وارکین اور عمال سلطنت کی ناجائز آمدنی کے دروازے بھی بند ہوگئے تھے' چنانچہ ایک دن اس محنت مشقت کی طرف ایک خاص امیر نے توجہ دلائی' تو اس کے جواب میں اس اولوالعزم بادشاہ نے ارشاد فرمایا:

''بادشاہ کے ان فرائض اور ذمہ داریوں کے متعلق لوگوں کو کوئی اختلاف رائے نہیں ہونا چاہئے کہ مشکلات اور خطرات کے موقعوں پر اس کا فرض ہے کہ اپنی زندگی کو سب سے پہلے معرض ہلاکت میں ڈالے۔ اگر ضرورت ہو تو ان لوگوں کی حفاظت میں' جو اس کی نگرانی میں دیئے گئے ہیں' تلوار ہاتھ میں لئے اپنی جان تک دیدے۔ تعجب ہے کہ ہمدرد اور محتاط آدمی مجھ کو ترغیب دے رہا ہے کہ رعایا کی فلاح وبہبود کا خیال میرے لئے کوئی پریشانی یا فکر کا باعث نہیں ہونا چاہئے اور نہ اس وجہ سے کوئی دن خواہشات نفسانی کو پورا کرنے میں صرف ہونے سے بچ سکے۔ اس کی رائے ہے کہ صحت جسمانی کے تحفظ کا خیال میرے نزدیک سب سے زیادہ اہم ہونا چاہئے اور مجھے بالخصوص ان اسباب وذرائع کو تلاش کرتے رہنا چاہئے' جو میرے ذاتی آرام وآسائش میں معین وموید ہوسکیں۔ بلاشبہ اس کی خواہش یہ ہے کہ میں امور سلطنت کا انصرام کسی وزیر کے ہاتھوں میں دیدوں۔ اس نے ہرگز یہ خیال نہیں کیا کہ ایک بادشاہ کے گھر پیدا ہونے اور تخت حکومت پر متمکن ہونے کی وجہ سے گویا قدرت نے مجھ کو اس خدمت پر مامور کرکے دنیا میں بھیجا ہے کہ میں یہاں اپنے لئے نہیں' بلکہ دوسروں کی خاطر زندہ رہوں اور مشقت کروں' کیونکہ یہ میرا فرض ہے کہ میں اپنی سہولت اور آسائش کا صرف اس حد تک لحاظ کروں' جہاں تک وہ عوام کی فلاح وبہبود سے متعلق ہیں۔ رعایا کی خوش حالی اور آسائش ہمیشہ میرے مدنظر رہنی چاہئے اور انصاف وعدل کی خواہش اقتدار شاہی کی بحالی اور تحفظ سلطنت کے علاوہ اور کسی غرض سے ان کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہ شخص ان نتائج کو نہیں جان سکتا' جو میرے تساہل سے پیدا ہوں گے اور یہ ان نتائج سے بالکل ناواقف ہے' جو دوسروں کو اختیارات سونپ دینے سے معرض ظہور میں آئیں گے اور اس انقلاب سے بے پرواہ ہے' جو اس صورت میں ممکن ہے''۔ (رقعات عالمگیری)

سترہویں صدی کے اس عظیم بادشاہ کے ان خیالات کو پڑھئے اور اس دور تمدن وتہذیب کے کسی شہرہ آفاق ماہر تعلیم یا کسی حریت نواز اور آزاد خیال سیاسی اہل الرائے کے خیالات سے موازنہ کیجئے اور سوچئے کہ کیا یہ انصاف کشی اور اخفائے حقیقت کی ایک مجرمانہ کوشش نہیں ہے کہ ہماری تمام تاریخی معلومات اور دماغی کدوکاوش صرف یہ ثابت کرنے میں صرف ہو کہ عالمگیر ہندو کش' ظالم اور ستمگر تھا؟؟

گولکنڈہ کا 'کنگ میکر' موچی

تاریخی کہانیوں کے شائقین کے لئے مغل دور کی ایک پراسرار سرگزشت

گولکنڈہ کی سلطنت کے آثار آج بھی حیدر آباد (دکن) سے بارہ میل دور کھنڈرات کی شکل میں موجود ہیں۔ جنوبی ہند کی اس سلطنت پر اورنگ زیب کی فتح ایک انوکھی کہانی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب گولکنڈہ کبھی تسخیر نہ کر سکتا' اگر ایک موچی اسے فتح کا پروانہ لکھ کر نہ دیتا۔ کہانی کچھ یوں ہے کہ گولکنڈہ کے حکمران قطب شاہی خاندان کا آخری سلطان عبداللہ علی قطب شاہ اولاد نرینہ سے محروم تھا' اس لئے اس نے اپنے داماد سید احمد سلطان کو ولی عہد بنا دیا۔ سلطان کی دوسری لڑکی جب شادی کی عمر کو پہنچی' تو اس کا رشتہ ایک مغل شہزادے محمد سلطان کے ساتھ کیا گیا۔ رجب میں شادی ہونی تھی' جس کی تیاریاں ایک بڑے جشن کی شکل میں شروع کر دی گئیں۔ جشن دیکھنے کیلئے دور دراز سے بھی لوگوں کی بہت بڑی تعداد پہنچ گئی اور خیموں کا شہر آباد ہو گیا۔ شادی سے کچھ دن پہلے شہزادہ چارمینار کے مہمان خانے میں پہنچا۔ رجب کا چاند نظر آتے ہی توپیں داغی گئیں اور رات کو مغل شہزادہ جوڑے کی رسم میں شرکت کیلئے کڑے پہرے میں قلعہ کی طرف چلا' جہاں اس کا ولی عہد سے بھی تعارف کرایا جانا تھا۔ شہزادے کے جلوس کے ہمراہ آتش بازی ہو رہی تھی' بینڈ باجہ بج رہا تھا اور جلوس پر پھولوں کی بارش کی جا رہی تھی۔ شہزادہ ایک ہاتھی پر سوار تھا اور اس کے ساتھ وزیر بھی موجود تھا۔

ولی عہد نے قلعہ کے دروازے پر ان کا استقبال کیا۔ وزیر اعظم گولکنڈہ شری اکنا نے دونوں کا باہمی تعارف کرایا' جس کے بعد یہ لوگ دربار میں داخل ہوئے۔ سلطان عبداللہ تخت پر بیٹھے تھے۔ ان کے دائیں بائیں ان دونوں کو نشستیں دی گئیں' باقی معززین پیچھے بیٹھے تھے۔ رسمیں ادا ہوئیں' پھر سلطان نے ولی عہد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شہزادے سے کہا کہ سید احمد سلطان بہت ہی نجیب الطرفین سید ہیں۔

مغل شہزادے نے آہستگی سے کہا' جی ہاں میں انہیں جانتا ہوں' ان کے آباء واجداد ہمارے خاندان کے پرانے نمک خواروں میں سے تھے۔

پتہ نہیں' شہزادے نے یہ بات کس نیت سے کہی' لیکن سلطان یہ سن کر فکر مند ہو گیا' چہرے سے ناراضی ٹپکنے لگی۔ سلطان کھانے کے کمرے میں چلا گیا۔ اس دوران ولی عہد کو یہ خبر پہنچ گئی کہ مغل شہزادے نے اس کے بارے میں کیا کہا ہے۔ وہ کھانے پر نہیں گیا۔ بادشاہ نے پوچھا' تو بتایا گیا کہ ولی عہد کی طبیعت ناساز ہے۔ کھانے کے بعد بادشاہ ولی عہد کی خواب گاہ میں پہنچا۔ دوسرے دن ملکہ حالات معلوم کرنے بڑی شہزادی کے محل میں گئی۔ تھوڑی دیر بعد بادشاہ بھی وہاں جا پہنچا اور کیا دیکھتا ہے کہ ولی عہد نے ہاتھ میں بندوق اور شہزادی نے خنجر پکڑا ہوا ہے اور دونوں سخت مشتعل ہیں۔ دونوں نے بادشاہ پر واضح کر دیا کہ جس روز محمد سلطان کی بارات آئے گی' ہم دونوں کا جنازہ اٹھے گا۔ بادشاہ نے انہیں بہت سمجھانے کی کوشش کی' لیکن بے سود۔ ادھر شادی میں صرف چھ دن رہ گئے تھے' ہر طرف جشن منایا جا رہا تھا اور مغل شہزادے کی بارات واپس لوٹانا اور اس طرح مغلوں کی دشمنی مول لینا بھی ناممکن تھا۔ آخر بادشاہ نے فیصلہ سنا دیا کہ ہم قول دے چکے ہیں' شادی ہو کر رہے گی۔

اس دوران بادشاہ نے قلعہ سے شہر جانے والا راستہ خاص خاص لوگوں کے سوا سب کیلئے بند کر دیا اور ولی عہد' شاہی خاندان کے افراد اور ان کے محلوں کے ملازمین کی آمد و رفت پر بھی پابندی لگا دی' تاکہ ولی عہد کی ناراضی کی اطلاع مغل شہزادے اور اس کے ساتھیوں تک نہ پہنچے۔ ولی عہد کو منانے کی کوششیں بھی جاری تھیں' لیکن وہ نہ مانا۔ چوتھی رات ملکہ نے بادشاہ کو بتایا کہ بڑی شہزادی نے چار دن سے کھانا نہیں کھایا۔ یہی حال ولی عہد کا بھی ہے' لیکن بادشاہ نے فیصلہ بدلنے سے انکار کر دیا۔ ملکہ نے یہ تجویز بھی دی کہ شادی ملتوی کر دی جائے' تاکہ اس دوران ولی عہد کو منایا جا سکے۔ بادشاہ نے یہ تجویز بھی مسترد کر دی۔

شادی میں دو دن باقی تھے کہ ملکہ نے بھی اپنا فیصلہ سنا دیا اور کہا کہ مغل شہزادے کی یہ مجال کہ سید زادے کی شان میں گستاخی کرے۔ اسے کہہ دو وہ آج ہی واپس چلا جائے' ورنہ آپ سن لیں کہ نکاح سے پیشتر ولی عہد اور بڑی شہزادی کا ہی نہیں' میرا بھی جنازہ اٹھے گا۔ بادشاہ نے ملکہ کو اس سنگین انجام سے خبردار کیا' جو شادی سے انکار کی صورت میں متوقع تھا' لیکن ملکہ نہیں مانی۔ پریشان بادشاہ ساری رات جاگتا رہا' لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کیا جائے۔

آخر صبح کے وقت وہ اپنے مرشد سید شاہ راجو قتال کے در پر حاضر ہوا۔ جب وہ مرشد کے گھر پہنچا' تو اس نے دیکھا کہ راجو قتال کا ایک خادم ابوالحسن پانی لینے کیلئے دروازے سے باہر نکل رہا تھا۔ بادشاہ راجو قتال کے حجرے میں داخل ہوا' تو اسے دیکھتے ہی قتال نے نعرہ لگایا ''ایک بادشاہ گیا' دوسرا آتا ہے۔''

بادشاہ اس نعرے کو نہ سمجھ سکا۔ اس نے راجو قتال کو مسئلہ بتایا اور دعا کی درخواست کی۔ قتال نے بے نیازی کے عالم میں جواب دیا۔ ''اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ ابوالحسن کو لے جا اور شہزادی اس سے بیاہ دے''۔ بادشاہ اس عجیب مشورے پر حیران ہوا' پھر بولا کل نماز فجر کے بعد نکاح لازمی ہونا ہے' انکار نہیں کر سکتا۔'' کچھ کیجئے۔ راجو قتال جواب میں ایک بات ہی کہتا رہا ''شہزادی کی شادی ابوالحسن سے ہی ہو گی' جا مغلوں سے کہہ دے کہ تم کون ہوتے ہو''۔ اسی دوران خادم ابوالحسن پانی کا مٹکا لے کر آ گیا'۔ راجو قتال نے کہا تانا شاہ (ابوالحسن کا عرفی نام) بادشاہ کے ساتھ جا' جو یہ کہے وہی کر۔ بادشاہ اب بہت ہی پریشان تھا'۔ راجو قتال نے برہم ہو کر کہا جا فوراً شادی کر' ورنہ کل تو رہے گا نہ تیرا خاندان۔

سلطان نے ابوالحسن کو ساتھ لیا اور محل سرا میں داخل ہو گیا۔ ابوالحسن تانا شاہ نے اس کے پوچھنے پر بتایا کہ اس کا سلسلہ بہمنی خاندان کے آخری فرمانروا سلطان محمود بہمنی سے ملتا ہے۔ شاہی چھننے کے بعد ان کا خاندان تباہ ہو گیا اور اب وہ کوئی 20 سال سے راجو قتال کی خدمت کر رہا ہے۔

> **سلطان نے ابوالحسن کو ساتھ لیا اور محل سرا میں داخل ہو گیا۔ ابوالحسن تانا شاہ نے اس کے پوچھنے پر بتایا کہ اس کا سلسلہ بہمنی خاندان کے آخری فرمانروا سلطان محمود بہمنی سے ملتا ہے۔ شاہی چھننے کے بعد ان کا خاندان تباہ ہو گیا اور اب وہ کوئی 20 سال سے راجو قتال کی خدمت کر رہا ہے۔**

سلطان نے ملکہ اور ولی عہد سے پوچھا کہ کیا چھوٹی شہزادی کا رشتہ ابوالحسن سے کر دیا جائے۔ اس صورت میں ولی عہد ابوالحسن ہو گا۔ ولی عہد نے کہا مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں' دوسرے روز شہزادی کا نکاح تانا شاہ سے ہو گیا۔

ادھر شہزادہ سلطان کی بارات مہمان خانے سے قلعہ گولکنڈہ کیلئے روانہ ہو چکی تھی۔

شہزادے کی بارات موسیٰ ندی کے پل تک پہنچی تھی کہ توپیں چلنے کی آواز آئی۔ بارات ٹھٹک گئی۔ توپیں قلعہ سے نکاح کے بعد سلامی کے طور پر چلائی جا رہی تھیں۔ کچھ تعجب اور حیرانی کے عالم میں بارات نے پھر چلنا شروع کیا۔ موسیٰ ندی کے پل پر بارات کے لوگوں کو سامنے سے ایک گھڑ سوار قاصد آتا ہوا نظر آیا۔ اس قاصد نے قریب آتے ہی بارات کو اطلاع دی کہ شہزادی کا نکاح ہو چکا ہے' باراتی واپس چلے جائیں۔

یہ پیغام سن کر بارات میں سنسنی دوڑ گئی۔ غصے سے مغلوں کے منہ سرخ ہو گئے۔ شہزادہ سلطان نے اپنا سہرا اتار پھینکا اور کسی کو بتائے بغیر ایک طرف روانہ ہو گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ عروسی لباس ہی میں سیدھا اورنگ آباد پہنچ گیا' جہاں اورنگ زیب عالمگیر ان دنوں دکن کا صوبیدار تھا۔ اورنگ زیب یہ واقعہ سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے سرداروں کو اکٹھا کرنے کے بعد گولکنڈہ پر حملہ کر دیا۔

یہ جنگ ایک دو دن نہیں' کئی مہینے چلتی رہی' بے شمار جانی نقصان ہوا' لیکن گولکنڈہ کی قطب شاہی فوج حیران کن مزاحمت کر رہی تھی۔ کافی تگ و دو کے باوجود اورنگ زیب ناکام واپس لوٹ آیا۔ اس واقعہ کو 32 سال گزر گئے۔ اس عرصہ میں سلطان عبداللہ قطب شاہ راہی ملک فنا ہوا اور حکومت اس کے ولی عہد ابوالحسن عرف تانا شاہ کے پاس آ گئی۔ تانا شاہ ایک شریف اور بہادر آدمی تھا۔ اس کے حکومت سنبھالنے کے بعد پہلی رات ہی راجو قتال نے اپنے خادم کے ذریعہ ایک انار اس کے پاس بھیجا۔ خادم کو حکم تھا کہ یہ انار وہ اپنے سامنے تانا شاہ کو کھلائے۔ خادم اس کے پاس پہنچا' تو ابوالحسن بہت خوش ہوا اور پوچھا مرشد نے میرے لئے کیا بھیجا ہے؟ خادم نے انار دکھایا اور کہا کہ یہ تبرک بھیجا ہے اور ساتھ ہی حکم دیا ہے کہ آپ اسے میرے سامنے کھولیں اور اس کے دانے نوش کریں۔

ابوالحسن نے انار کھولا' چکھا تو دانے نہایت شیریں تھے۔ ایک ایک کر کے اس نے سات دانے کھائے اور پھر کہا اور نہیں کھایا جا سکتا' تو یہ مجھے دے دے' باقی صبح کھاؤں گا۔

خادم واپس چلا گیا اور راجو قتال کو سارا ماجرا بتایا۔ قتال ناراض ہوا اور خادم کو واپس تانا شاہ کے پاس بھیج دیا' یہ حکم دے کر کہ باقی انار بھی ابھی کھاؤ۔

خادم واپس گیا اور تانا شاہ کو راجو قتال کا پیغام دیا۔ ابوالحسن نے سات دانے اور کھائے اور پھر معذرت کر لی کہ اب ایک دانہ بھی اور نہیں کھایا جا سکتا۔ کل میں اسے ضرور کھالوں گا۔ خادم نے واپس جا کر یہ بات بھی قتال کو بتا دی۔ راجو افسردہ ہو گیا اور اس کے منہ سے نکلا' افسوس' ابوالحسن تو صرف چودہ سال حکومت کرے گا' سات برس بعد راجو قتال کا انتقال ہو گیا۔

اسی سال اورنگ زیب نے تسخیر دکن کی ادھوری مہم پھر شروع کی' لیکن پہلا حملہ ناکام ہو گیا' اس کے بعد جتنی بھی کوششیں کی گئیں' سب ناکام رہیں۔ یہ امر بڑا پراسرار تھا کہ مغلوں کی اتنی عظیم الشان سپاہ مگر گولکنڈہ کی فتح کے کوئی آثار نہیں۔

اسی چکر میں سات برس مزید گزر گئے۔ ابوالحسن کی حکومت کو 13 سال اور 5 ماہ گزر چکے تھے' اورنگ زیب نے ایک اور بڑا حملہ کیا اور اس بار ایک سے بڑھ کر ایک جنگی ہتھکنڈہ آزمایا' لیکن فتح کی کوئی علامت نمودار نہیں ہوئی۔ (باقی صفحہ 29 پر)

اورنگ زیب کی چوّنی

جس نے مُلّا جیون کو مالا مال کردیا

اورنگ زیب عالمگیر ملا احمد جیون سے گفتگو کرتے ہوئے

مُلّا احمد جیون ہندوستان کے مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے استاد تھے۔ اورنگ زیب اپنے استاد کا بہت احترام کرتے تھے اور استاد بھی اپنے شاگرد پر فخر کرتے تھے۔ جب اورنگ زیب ہندوستان کے بادشاہ بنے' تو انہوں نے اپنے غلام کے ذریعہ استاد کو پیغام بھیجا کہ وہ کسی دن دہلی تشریف لائیں اور خدمت کا موقع دیں۔ اتفاق سے وہ رمضان کا مہینہ تھا اور مدرسہ کے طالب علموں کی بھی چھٹیاں تھیں۔ چنانچہ انہوں نے دہلی کا رخ کیا۔ استاد اور شاگرد کی ملاقات عصر کی نماز کے بعد دہلی کی جامع مسجد میں ہوئی۔ استاد کو اپنے ساتھ لے کر اورنگ زیب شاہی قلعہ کی طرف چل پڑے۔ رمضان کا سارا مہینہ اورنگ زیب اور استاد نے اکھٹے گزارا۔ عید کی نماز اکھٹے ادا کرنے کے بعد ملاّ جیون نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا۔ بادشاہ نے جیب سے ایک چونی نکال کر اپنے استاد کو پیش کی۔ استاد نے بڑی خوشی سے نذرانہ قبول کیا اور گھر کی طرف چل پڑے۔

اس کے بعد اورنگ زیب دکن کی لڑائیوں میں اتنے مصروف ہوئے کہ 14 سال تک دہلی آنا نصیب نہ ہوا' جب وہ واپس آئے' تو وزیراعظم نے بتایا۔ ملاّ احمد جیون ایک بہت بڑے زمیندار بن چکے ہیں۔ اگر اجازت ہو' تو ان سے لگان وصول کیا جائے۔ یہ سن کر اورنگ زیب حیران رہ گئے کہ ایک غریب استاد کس طرح زمیندار بن سکتا ہے۔ انہوں نے استاد کو ایک خط لکھا اور ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ ملاّ احمد جیون پہلے کی طرح رمضان کے مہینے میں تشریف لائے۔ اورنگ زیب نے بڑی عزت کے ساتھ انہیں اپنے پاس ٹھہرایا۔ ملاّ احمد کا لباس، بات چیت اور طور طریقے پہلے کی طرح سادہ تھے' اس لئے بادشاہ ان سے بڑا زمیندار بننے کے بارے میں پوچھنے کا حوصلہ نہ جتا پائے۔ ایک دن ملاّ صاحب خود کہنے لگے۔ ''آپ نے جو چونی دے تھی' وہ بڑی بابرکت تھی۔ میں نے اس سے بنولہ خرید کر کپاس کاشت کی۔ خدا نے اس میں اتنی برکت دی کہ چند سالوں میں سینکڑوں سے لاکھوں ہو گئے۔

اورنگ زیب یہ سن کر خوش ہوئے اور مسکرانے لگے اور کہا کہ اگر اجازت ہو' تو چونی کی کہانی سناؤں۔ ملاّ صاحب نے کہا ضرور سنائیں۔

اورنگ زیب نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ چاندنی چوک کے سیٹھ ''اتم چند'' کو فلاں تاریخ کے کھاتے کے ساتھ پیش

چاندنی چوک کا بازار' جہاں اتم چند سیٹھ کی دکان تھی

کرو۔ سیٹھ اتم چند ایک معمولی بنیا تھا۔ اسے اورنگ زیب کے سامنے پیش کیا گیا' تو وہ ڈر کے مارے کانپ رہا تھا۔ اورنگ زیب نے نرمی سے کہا کہ آگے آجاؤ اور بغیر کسی گھبراہٹ کے کھاتہ کھول کر خرچ کی تفصیل بیان کرو۔ سیٹھ اتم چند نے اپنا کھاتہ کھولا۔ تاریخ و خرچ کی تفصیل سنانے لگا۔

ملاّ احمد جیون اور اورنگ زیب خاموشی سے سنتے رہے۔ ایک جگہ آکر سیٹھ رک گیا۔ یہاں خرچ کے طور پر ایک چونی درج تھی' لیکن اس کے سامنے لینے والے کا نام نہیں تھا۔ اورنگ زیب نے نرمی سے پوچھا کہ ہاں بتاؤ یہ چونی کہاں گئی؟

اتم چند نے کھاتہ بند کیا اور کہنے لگا۔ اگر اجازت ہو' تو درد بھری داستان عرض کروں؟

بادشاہ نے کہا کہ اجازت ہے۔ اس نے کہا کہ اے بادشاہ وقت! ایک رات موسلا دھار بارش ہوئی۔ میرا مکان ٹپکنے لگا۔ مکان نیا نیا بنا تھا اور تمام کھاتے کی تفصیل بھی اسی مکان میں تھی۔ میں نے بڑی کوشش کی' لیکن چھت ٹپکتی رہی۔ میں نے باہر جھانکا' تو ایک آدمی لالٹین کے نیچے کھڑا نظر آیا۔ میں نے مزدور خیال کرتے ہوئے پوچھا۔ اے بھائی مزدوری کرو گے؟

وہ بولا' کیوں نہیں۔ وہ آدمی کام پر لگ گیا۔ اس نے تقریباً تین چار گھنٹے کام کیا۔ جب مکان ٹپکنا بند ہوگیا' تو اس نے اندر آکر تمام سامان درست کیا۔ اتنے میں صبح کی اذان شروع ہوگئی۔ وہ کہنے لگا کہ سیٹھ صاحب! آپ کا کام مکمل ہوگیا' مجھے اجازت دیجئے' میں نے اسے مزدوری دینے کی غرض سے جیب میں ہاتھ ڈالا' تو ایک چونی نکلی۔ میں نے اس سے کہا کہ اے بھائی! ابھی میرے پاس یہی چونی ہے' یہ لے اور صبح دکان پر آنا' تمہیں مزدوری مل جائے گی۔ وہ کہنے لگا' یہی چونی کافی ہے۔ میں پھر حاضر نہیں ہوسکتا۔ میں نے اور میری بیوی نے اس کی بہت منتیں کیں' لیکن وہ نہ مانا اور کہنے لگا۔ دیتے ہو تو یہ چونی دے دو' ورنہ رہنے دو۔ میں نے مجبور ہوکر چونی دے دی اور وہ لے کر چلا گیا اور اس کے بعد سے آج تک وہ نہ مل سکا۔ آج اس بات کو پندرہ برس بیت گئے۔ میرے دل نے مجھے بہت ملامت کی کہ اسے روپیہ نہ سہی' اٹھنی دے دیتا۔ اس کے بعد اتم چند نے بادشاہ سے اجازت چاہی اور چلا گیا۔ بادشاہ نے ملاّ صاحب سے کہا کہ یہ وہی چونی ہے' کیونکہ میں اس رات بھیس بدل کر گیا تھا' تاکہ رعایا کا حال معلوم کرسکوں' سو وہاں میں نے مزدور کے طور پر کام کیا۔ ملاّ صاحب خوش ہوکر کہنے لگے۔ مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ چونی میرے ہونہار شاگرد نے اپنی محنت سے کمائی ہوگی۔ اورنگ زیب نے کہا کہ ہاں واقعی۔ اصل بات یہ ہے کہ میں نے شاہی خزانہ سے اپنے لئے کبھی ایک پائی بھی نہیں لی۔ ہفتہ میں دو دن ٹوپیاں بناتا ہوں اور دو دن مزدوری کرتا ہوں۔ میں خوش ہوں کہ میری وجہ سے کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری ہوئی' یہ سب آپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

بہروپیا جس نے اورنگ زیب کولاجواب کردیا

اورنگ زیب عالمگیر کے دربار میں ایک بہروپیا آیا اور اس نے کہا کہ ''میں بہروپیا ہوں اور میں کوئی بھی روپ بدل سکتا ہوں۔ آپ کو جو اپنے علم پر بڑا ناز ہے کو دھوکہ دے سکتا ہوں' میں بھیس بدلونگا' آپ پہچان کر دکھایئے''۔ عالمگیر نے کہا! منظور ہے۔ اس نے کہا حضور' آپ وقت کے شہنشاہ ہیں، اگر تو آپ نے مجھے پہچان لیا' تو میں آپ کے دیئے دار ہوں' لیکن اگر آپ مجھے پہچان نہ سکے اور میں نے ایسا بھیس بدلا' تو آپ سے پانچ سو روپیہ لونگا۔ شہنشاہ نے کہا' شرط منظور ہے۔ ایک سال کے بعد جب اپنا لاؤ لشکر لے کر اورنگ زیب عالمگیر ساؤتھ انڈیا پہنچا اور مرہٹوں پر حملہ کیا' تو وہ اتنی مضبوطی کے ساتھ قلعہ بند تھے کہ اس کی فوجیں وہ قلعہ توڑ نہ سکیں۔ لوگوں نے کہا۔ یہاں ایک درویش ولی اللہ رہتے ہیں' ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔ شہنشاہ پریشان تھا' بیچارہ بھاگا بھاگا ان کے پاس گیا۔ سلام کیا اور کہا کہ آپ ہماری مدد کریں میں کل اس قلعہ پر حملہ کرنا چاہتا ہوں۔'' تو فقیر نے کہا! نہیں کل مت کریں، پرسوں کریں اور پرسوں بعد نماز ظہر۔ اورنگزیب نے کہا' جی بہت اچھا! چنانچہ اس نے بعد نماز ظہر' جو حملہ کیا' ایسا زور کا اور ایسے جذبے سے کیا' جس کے پیچھے فقیر کی دعا تھی اور ایسی دعا کہ قلعہ ٹوٹ گیا اور فتح ہو گئی۔ مفتوح جو تھے پاؤں پڑ گئے۔ بادشاہ سید ھا درویش کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور یہ سب آپ ہی کی بدولت ہوا ہے۔ اس فقیر نے کہا کہ نہیں' جو کچھ کیا' اللہ ہی نے کیا۔ انھوں نے کہا کہ آپ کی خدمت میں دو بڑے بڑے قصبے دیتا ہوں اور آئندہ پانچ سات پشتوں کیلئے ہر طرح کی معافی ہے۔ اس نے کہا: بابا ہمارے کس کام کی ہیں یہ ساری چیزیں۔ ہم تو فقیر لوگ ہیں' تیری بڑی مہربانی۔ اورنگ زیب نے بڑا زور لگایا' لیکن وہ نہیں مانا اور بادشاہ مایوس ہوکر واپس آگیا۔ اورنگ زیب اپنے تخت پر آکر بیٹھ گیا' جب وہ ایک فرمان جاری کر رہا تھا' عین اس وقت وہ فقیر آیا' تو شہنشاہ نے کہا کہ حضور آپ یہاں کیوں تشریف لائے' مجھے حکم دیتے۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ کندن نے کہا! نہیں شہنشاہ معظم! اب یہ ہمارا فرض تھا کہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے' تو جناب عالی میں کندن بہروپیا ہوں۔ میرے پانچ سو روپیہ مجھے عنایت فرمائیں۔ شہنشاہ نے کہا۔ تم وہ ہو۔ کندن نے کہا' ہاں وہی ہوں' جو آج سے ڈیڑھ برس پہلے آپ سے وعدہ کر کے گیا تھا۔ اورنگ زیب نے کہا کہ مجھے پانچ سو روپیہ دینے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ جب میں نے آپ کے نام اتنی زمین کردی' جب میں نے آپ کی سات پشتوں کو یہ رعایت دی کہ اس میری ملکیت میں جہاں چاہیں' جس طرح چاہیں رہیں' آپ نے اس وقت کیوں انکار کردیا؟ یہ پانچ سو روپیہ تو کچھ بھی نہیں۔ اس نے کہا کہ حضور بات یہ ہے کہ جن کا روپ دھارا تھا، ان کی عزت مقصود تھی۔ وہ

سچے لوگ ہیں' ہم جھوٹے لوگ ہیں۔ یہ میں نہیں کرسکتا کہ روپ سچوں کا دھاروں اور پھر بے ایمانی کروں۔ آج ہمارے معاشرے میں جو لوگ اللہ کے نیک بندوں کا لبادہ اوڑھ کر دین کے ذریعہ دنیا کمانے میں مصروف ہیں' ان سے کہیں بہتر اور قابل احترام میرے نزدیک کندن بہروپیا ہیں۔

عالمگیر کی روٹی کا ٹکڑا اور باورچی کا نمک

اورنگ زیب عالمگیر کے پاس ایک مرتبہ ایک باورچی آیا کہ بادشاہ کا باورچی بنوں گا تو خوب میرے وارے نیارے ہو جائیں گے، مگر وہ تو ٹوپیاں سیتے تھے اور قرآن مجید لکھتے تھے اور اس کی آمدنی سے تھوڑی سی روٹی کھا لیتے تھے۔ بیت المال کا پیسہ ہرگز نہیں لیتے تھے۔ کسی بزرگ کے صحبت یافتہ تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ایک صاحبزادے کی صحبت میں رہے تھے، چنانچہ ان کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بڑے درویش صفت تھے۔ اگرچہ وقت کے بادشاہ تھے۔ گھر کے اندر بس تھوڑی سی روٹی کھچڑی بن جاتی تھی، وہی کھا لیتے تھے۔ اب یہ باورچی تنگ آ گیا کہ میں یہاں سے کیسے جان چھڑاؤں، چنانچہ اس نے ایک ترکیب سوچی۔ ایک دن اس نے نمک بھر کے ڈال دیا، مگر کیا دیکھا کہ بادشاہ سلامت آئے اور انہوں نے کھانا آرام سے کھا لیا اور کچھ بھی نہیں کہا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ کیوں نہیں کچھ کہا۔ انہیں تو مجھے نکال دینا چاہئے تھا۔ خیال آیا کہ ان کو شاید زیادہ نمک کا پتہ نہیں چلتا۔ ان کی طبیعت زیادہ نمک پسند کرتی ہے، چنانچہ اگلے دن اس نے نمک ڈالا ہی نہیں۔ انہوں نے اس کو بھی کھا لیا اور کچھ بھی نہ کہا اور چلے گئے۔ یہ بڑا حیران ہوا۔ تیسرے دن اس نے نارمل کھانا بنایا۔ انہوں نے کھا لیا اور باورچی کو پاس بلا کر کہا۔ بھئی ایک دن نمک زیادہ تھا۔ ایک دن نمک بالکل نہیں تھا، آج نمک برابر ہے۔ آپ ایک اندازہ متعین کر لیجئے اور اتنا نمک روزانہ ڈال دیا کریں، تاکہ تمہیں پکانے میں آسانی ہو۔ اس باورچی نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ حضرت میں تو اس لئے کر رہا تھا کہ مجھے چھٹی مل جائے، مگر آپ تو ایسے ہیں کہ کھانے پر اعتراض کرتے ہی نہیں۔ اس وقت اورنگ زیب عالمگیر نے کہا کہ اچھا تمہیں دنیا چاہئے، تمہیں دنیا مل جاتی ہے۔ انہوں نے روٹی کا ایک ٹکڑا بچا دیا اور کہا کہ میری طرف سے فلاں کو جا کر ہدیہ دے دینا۔ وہ اس روٹی کے ٹکڑے کو لے کر گیا اور اس بندے کو ہدیہ دے دیا۔ وہ بندہ بادشاہ سے محبت کرتا تھا، وہ خوش ہوا کہ بادشاہ سلامت نے مجھے ہدیہ بھیجا، چنانچہ اس نے لاکھوں دینار اس بندے کو تحفہ میں دے دیئے کہ آپ بادشاہ کی طرف سے میرے لئے ہدیہ لے کر آئے۔ اورنگ زیب عالمگیر نے کہا کہ دیکھو یہ روٹی کا ایک ٹکڑا لاکھوں دینار سے زیادہ قیمتی ہے۔ تب اس کو پتہ چلا کہ اللہ والوں کی نظر کس بات پر ہوتی ہے۔

اورنگ زیب اور رائے بریلی کے علماء کرام

اولیاء اللہ کی دنیاوی ضروریات اور طمع سے بے نیازی ہی انہیں دربار و خلقعت میں جلال فقر عطا کرتی ہے۔ اپنے دور کے شاہان وقت اپنے ادوار کے اولیاء کے فقر کو آزمانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے۔ ان میں سے بہت سے شاہوں کا مقصد آزمائش کے بجائے ان فقراء کی خدمت کرنا بھی ہوتا تھا۔ مغل فرمانروا اورنگ زیب عالمگیر ایک پاکباز شہنشاہ تھا، جو فقراء واولیاء کی خدمت بجالاتا تھا۔ ایک بار اس نے رائے بریلی کے دو بزرگان کی خدمات کی ٹھان لی اور جواب میں اسے کس حالات کا سامنا کرنا پڑا، یہ اہل تصوف کیلئے بڑی رمز کی بات ہے۔ رائے بریلی میں دو تکیے ہوا کرتے تھے۔ ایک شہر کے متصل ہے، جو دائرہ شاہ علم اللہ سے مشہور تھا۔ اس کو تکیہ بھی کہتے تھے۔ دوسرا تکیہ محبت علی شاہ کے نام سے مشہور تھا۔ علم اللہ شاہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے جد امجد تھے۔ ان کے یہاں فاقہ بہت ہوتا تھا۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کو اس کا علم ہوا تو اس نے اپنے ایلچی کو اچھی خاصی رقم دیکر ان کی خدمت میں بھیجا۔ شاہ علم اللہؒ نے یہ کہہ کر رقم واپس کردی کہ ان کا سارا انتظام اچھا چل رہا ہے اور اسکے لئے مالی مدد کی ضرورت نہیں۔ ایلچی رقم واپس لے کر شہنشاہ کی خدمت میں پہنچا اور حضرت شاہ علم اللہ کی بات ان سے بیان کردی۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے اسے دوبارہ یہ کہہ کر بھیجا کہ یہ رقم تم ان کی اہلیہ کی خدمت میں پیش کردو۔ ایلچی جب حضرت کی اہلیہ کی خدمت میں وہ رقم لے کر پیش ہوا تو اہلیہ محترمہ نے کہا "اے شہنشاہ کے ایلچی میرے شوہر تو شاہ علم اللہ ہیں۔ میرا نان نفقہ ان کے اوپر واجب ہے، عالمگیر کو اس کی فکر کیوں کر ہے؟" ایلچی پھر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی خدمت میں پہنچا اور ماجرہ بیان کیا۔ یہ سن کر عالمگیر شرمندہ ہوا اور سر شرم سے جھک گیا، پھر اس نے کہا۔ "میں نے طے کر لیا ہے کہ اس رقم کو بزرگوں کی خدمت میں پیش کرنا ہے، وہ قبول نہیں کرتے، تو اس لئے اس رقم کو محبت شاہ کی خدمت میں جا کر پیش کردو"۔ ایلچی ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے رقم کو قبول کر لیا۔ ایک صاحب شاہ علم اللہ شاہ کی خدمت میں پہنچے اور کہا "حضور جس رقم کو آپ نے واپس کیا تھا، اس کو محبت علی شاہ نے قبول کر لیا ہے"۔ شاہ علم اللہؒ نے کہا "وہ دریا ہیں، اس رقم کا ان کے اوپر کوئی اثر نہ ہوگا۔ ہمارے اندر اس کی سہار نہ تھی، معلوم نہیں کیا حال ہوتا"۔

> علم اللہ شاہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے جد امجد تھے۔ ان کے یہاں فاقہ بہت ہوتا تھا۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کو اس کا علم ہوا، تو اس نے اپنے ایلچی کو اچھی خاصی رقم دیکر ان کی خدمت میں بھیجا۔ شاہ علم اللہؒ نے یہ کہہ کر رقم واپس کردی کہ ان کا سارا انظام اچھا چل رہا ہے اور اسکے لئے مالی مدد کی ضرورت نہیں۔

اورنگ زیب نے ستی کی رسم پر پابندی لگائی تھی

عام عوام کے ذہنوں میں بٹھا دیا گیا ہے کہ ہندوؤں کے درمیان غیر انسانی رسم "ستی پرتھا" پر پابندی لگانے کیلئے لارڈ بینڈ کٹ، جو انگریزی حکومت کی طرف سے 1828ء میں بنگال کے گورنر جنرل بننے کے بعد 1829ء میں بنگال ستی قانون بنایا تھا، جبکہ ستی پرتھا کے خلاف راجہ رام موہن رائے نے تحریک چلائی تھی، لیکن دیدہ ودانستہ طور پر اورنگ زیب، جس نے ہندوستان میں سسکتی انسانیت اور ظالمانہ ستی کی رسم پر سب سے پہلے پابندی لگائی تھی کو بھلا دیا گیا۔ شہنشاہ اورنگ زیب کی حکومت 50 سال تک رہی۔ اورنگ زیب نے ناچ گانے والیوں، طوائفوں، نشہ آور اشیاء کی پیداوار پر بھی پابندی لگائی تھی، جس کی وجہ سے حکومت کے کارندوں کی کمائی پر اثر پڑا تھا۔ سابق گورنر بی این پانڈے، تاریخ دان رومیلا تھاپر اور ڈاکٹر اوم پرکاش جیسے سینکڑوں محققین کی ریسرچ، اورنگ زیب کے خلاف انگریزوں کی تشہیر اور زعفرانی گروہ کی سازش کہ ہندوؤں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت بھڑکائی جاسکے کو درست ثابت کرتا ہے، کیونکہ اورنگ زیب کی ایسی شبیہ گڑھی گئی، جس کا فائدہ خاص گروہ اٹھاتا رہا ہے، جو ملک میں بھائی چارہ، امن وشانتی کا دشمن ہے۔ یہی ان گروہوں کی روح کو آکسیجن دیتا ہے۔

ایس حق۔ پٹنہ

کیا اورنگ زیب سکھ دشمن تھا؟

انگریزوں نے سکھوں اور مسلمانوں کو لڑانے کے لئے کیا تاریخ کو مسخ

ہارون خالد کی تحریر

کیا واقعی شہنشاہ اورنگ زیب سکھوں کا دشمن تھا؟ کیا واقعی اورنگ زیب نے سکھوں کے گروؤں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا؟ کیا اورنگ زیب نے سکھوں کو بری طرح کچلا تھا؟ ایسے لاتعداد سوال ہیں، جن کے جواب میں ہندوستان کی تاریخ الجھی ہوئی ہے۔ وہ تاریخ، جس کو انگریزوں نے اپنی سہولت سے توڑ مروڑ دیا مسخ کردیا اور حقیقت سے دور کردیا۔ جس کے سبب سکھوں کی تاریخ میں اورنگ زیب کو سکھوں کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا جاتا ہے۔ عام تاثر بھی رہا کہ ہندوؤں اور سکھوں کے خلاف مغل شہنشاہ اورنگ زیب نے جو کچھ کیا' وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ان کی تہذیب اور مذہب کو انہوں نے تباہ و برباد کرنا چاہا اور یوں اورنگ زیب ایک تخریب کار دہشت گرد کے نام سے ان کی شناخت کی گئی اور انہیں ایک برا حکمراں بھی کہا گیا' جو سکھ دشمن تھا۔ سکھوں کے مطابق' جو غیر مسلم جزیہ نہیں دیتا تھا' اسے ظالمانہ طور پر اورنگ زیب کے حکم پر قتل کرادیا جاتا تھا۔ سکھوں کے نویں گرو تیغ بہادر (1621ء-1675ء) اور پیروکاروں کو اس لئے قتل کرادیا تھا کہ انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا تھا اور ان کو دہلی گرفتار کر کے لایا گیا' ان کا سر قلم کیا گیا اور انہیں چاندنی چوک کے گرودوارے میں دفن کیا گیا۔ شہنشاہ اورنگ زیب نے کسی کو بھی نویں سکھ گرو تیغ بہادر کا کٹا سر اور جسم کہیں لے جانے سے منع کر دیا تھا۔ دہلی کے باسی جنہوں نے گرو کا قتل اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، خوف میں جکڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے کئی افراد تیغ بہادر کے عقیدت مند تھے' جو گرو نانک کے 8 ویں روحانی جانشین تھے۔

جوزف ڈیوے کننگھم جیسے کالونیل مؤرخین گرو کے قتل پر ایک مختلف ھی وضاحت پیش کرتے ھیں۔ اس واقعہ کے پیچھے چھپے سیاسی مقصد کو سمجھنے کیلئے آپ کو اس دور کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لی نا پڑے گا۔

سکھوں کی روحانی تحریک گرو نانک کی وفات پر جو کرتار پور صاحب (موجودہ پاکستان) تک محدود تھی' وہ اب پنجاب کے دور دراز علاقوں اور اس کے آگے تک پھیل چکی تھی۔ ان کے پیروکار تمام پس منظر سے تعلق رکھتے تھے' جو اپنے ساتھ اپنے وسائل اور افرادی قوت دونوں ساتھ لائے' مگر اب بھی کچھ سکھ دانشور ایسے ہیں' جو تاریخ کے ایک مختلف پہلو کو سامنے لاتے ہیں اور ان کہانیوں کو بے بنیاد مانتے ہیں۔

1675ء میں گرو تیغ بہادر کے قتل کی وجوہات سرکاری مغل دستاویزات میں اس طرح درج ہیں کہ وہ اپنے ہزاروں پیروکاروں کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔ گرو کا سیاسی و مادی اثر بڑھنے کی وجہ سے مغل سلطنت کی چھوٹی شاہی ریاستیں سکھ گروؤں کو سیاسی مخالفین کے طور پر دیکھ رہی تھیں۔ ان کے اثر و رسوخ اور طاقت سے مغل شہنشاہ بھی خوب آشنا تھے۔ گرو نانک کے دور کی سیاسی گمنامی کا دور کب کا گزر چکا تھا۔ ایسے کئی حوالے ہیں' جو اورنگ زیب کے حکم پر گرو تیغ بہادر کے قتل کے متعلق مختلف کہانیاں بیان کرتے ہیں۔ سکھوں کی روایت کے مطابق گرو کشمیری پنڈتوں کے حقوق کیلئے کھڑے ہوئے تھے' جنہوں نے ان سے مدد طلب کی تھی کہ وہ شہنشاہ سے ان کی طرف سے مصالحت کا کردار ادا کریں اور ان پر حالیہ نافذ کردہ جزیہ کے فیصلے کو واپس لینے کو کہیں۔ گرو اپنے بیٹے گوبند رائے، جو آگے چل کر گرو گوبند سنگھ بنے کے اصرار پر کشمیری پنڈتوں کے تحفظ کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے اور دہلی کا رخ کیا۔ جب وہ مغل دربار پہنچے' تو ان کا مذاق اڑایا گیا اور ان سے اپنے گرو ہونے کے ثبوت کے طور پر کوئی معجزہ پیش کرنے کو کہا گیا۔ انہوں نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر ایک جادوئی منتر لکھا اور ایک دھاگے کی مدد سے گلے میں باندھ لیا۔ انہوں نے مغل حکام سے کہا کہ جب تک یہ منتر ان کے گلے میں بندھا رہے گا' ان کا سر تن سے جدا نہیں ہوسکتا۔ چاہے جلاد تلوار سے ان کی گردن پر وار ہی کیوں نہ کرے' مگر جب گرو کی گردن پر تلوار سے وار ہوا' تو سر تن سے جدا ہوگیا۔ بعد میں جب مغل حکام نے گرو کے ہاتھ سے لکھے منتر کو کھول کر دیکھا' تو اس میں لکھا تھا ''انہوں نے اپنا سر تو دیا' مگر اپنا راز نہ دیا۔''

دراصل گرو تیغ بہادر کے قتل کا ذکر سب سے پہلے ایک انگریز افسر مٹکاف نے اپنی کتاب ''سکھوں کی تواریخ' میں کیا کہ ''اورنگ زیب نے گرو تیغ بہار کو سزائے موت دی' مگر اس سے پہلے اس کا کوئی ثبوت یا حوالہ نہیں ملتا۔ اس سے اہم ایک نکتہ یہ بھی ہے مٹکاف کے بعد شائع ہونے والی دوسری کتاب میں مٹکاف کے اس خیال کو'' اورنگ زیب نے گرو تیغ بہادر کو موت کی سزا دی'' کافی اہمیت دی گئی۔

سکھ مت میں تبدیلی

مگر جوزف ڈیوے کننگھم جیسے کالونیل مؤرخین گرو کے قتل پر ایک مختلف ہی وضاحت پیش کرتے ہیں۔ اس واقعہ کے پیچھے چھپے سیاسی مقصد کو سمجھنے کیلئے آپ کو اس دور کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لینا پڑے گا' جس میں تیغ بہادر کو سکھ گرو کے طور پر مقرر کیا گیا تھا۔ سات سالہ گرو ہر کرشن کی موت کے بعد تیغ بہادر کو سکھ برادری کے سربراہ کے طور پر مقرر کیا گیا تھا۔ ہر کرشن کے قلیل مدتی دور کے دوران ان کے بڑے بھائی رام رائے، جو گرو کی حیثیت حاصل کرنا چاہتے تھے نے ان کے خلاف مسلسل سازشیں کرنا شروع کر دیں اور چند مرکزی سکھ سربراہان کے ساتھ لابنگ شروع کی اور سکھ برادری کو اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ ہی گرو نانک کے روحانی جانشین بننے کے حقدار ہیں۔ اپنی زندگی کی آخری گھڑیوں میں گرو ہر کرشن نے ایک مبہم حکم جاری کیا' جس کی تشریح یہ بنی کہ گرو تیغ بہادر کو اگلے گرو کے طور پر مقرر کیا جائے۔

یہ اعلیٰ مقام حاصل ہوتے ہی گرو تیغ بہادر نے محصولات کا حجم بڑھانے کیلئے نئے سیاسی اتحاد قائم کرنے شروع کر دیئے' تاکہ گرو کی حیثیت کے دعوے کرنے والوں سے مقابلہ کیا جا سکے۔ کننگھم کے مطابق گرو اور ان کے پیروکار ''ہانسی اور ستلج کے ویران علاقوں کے درمیان لوٹ مار سے اپنا گزارہ کرتے تھے' جس کی وجہ سے کسانوں میں ان کے خلاف ناپسندیدگی بڑھ گئی تھی۔ گرو نے ایک مسلمان انتہاپسند آدم حافظ کے ساتھ اتحاد قائم کیا اور امیر ہندوؤں اور مسلمانوں پر ٹیکس نافذ کئے۔ مؤرخ نے مزید نشاندہی کی ہے کہ گرو نے بھگوڑوں کو پناہ دی۔ ان کے خلاف ایک اور شکایت شہنشاہ کے کانوں تک رام رائے نے پہنچائی کہ سابقہ گرو ہر کرشن کی ہی طرح گرو تیغ بہادر پر بھی ''طاقت ہتھیانے کے لئے جھوٹا دعویٰ کرنے والا'' کا الزام عائد کیا گیا تھا۔

تیغ بہادر مغل شہنشاہوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے دوسرے سکھ گرو تھے۔ اس سے پہلے تقریباً 70 سال قبل 1606ء میں پانچویں سکھ گرو، گرو ارجن کو جہانگیر کے حکم پر قلعہ لاہور کے سامنے دریائے راوی کے کناروں پر قتل کیا گیا تھا۔ ان کا قتل سکھ گروؤں کے سلسلے کی تاریخ میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا، جس کے بعد سے یہ مذہب ایک عدم تشدد پر مبنی روحانی تحریک سے بدل کر گرو ارجن کے بیٹے اور ان کے روحانی جانشین گرو ہرگوبند کی ایک مسلح مذہبی تحریک بن گیا تھا۔ اس نے خالصہ کے بیج بوئے' جس نے سکھ برادری کو اس کی موجودہ صورت بخشی، جسے گرو تیغ بہادر کے بیٹے اور جانشین گرو ہرگوبند سنگھ نے باقاعدہ ایک ادارے کی صورت دی۔

انگریزوں کی تاریخ نے کیا کھیل

دراصل گرو تیغ بہادر کے قتل کا ذکر سب سے پہلے ایک انگریز افسر مٹکاف نے اپنی کتاب ''سکھوں کی تواریخ' میں کیا کہ ''اورنگ زیب نے گرو تیغ بہار کو سزائے موت دی' مگر اس سے پہلے اس کا کوئی ثبوت یا حوالہ نہیں ملتا۔ اس سے اہم ایک نکتہ یہ بھی ہے مٹکاف کے بعد شائع ہونے والی دوسری کتاب میں مٹکاف کے اس خیال کو'' اورنگ زیب نے گرو تیغ بہادر کو موت کی سزا دی'' کافی اہمیت دی گئی' جب کہ مٹکاف سے پہلے ایک دوسری بات سے آگہی ہوتی ہے۔ بھائی منی سنگھ کی 1892ء میں شائع ہوئی کتاب'' بھگت رتناول'' میں صاف صاف لکھا ہے ایک سکھ نے ہی ان کی اجازت سے ان کا سر قلم کیا اور لکھا اورنگ زیب کو اپنی کرامت دکھانے کیلئے انھوں نے کہا کہ وہ ایک ایسا منتر لکھیں گے کہ جو بھی اسے اپنی گردن سے باندھے گا' تلوار کا بھاری سے بھاری وار کا بھی کوئی اثر اس کی گردن پر نہ ہوگا۔ اس منتر کو انہوں نے خود اپنی گردن پر باندھا اور اپنے چیلے کو وار کرنے کا اشارہ کیا۔ تلوار کی بھاری ضرب جیسے ہی ان کی گردن پر پڑی' سر تن سے جدا ہوکر ایک طرف گرا اور واقعہ کے راوی وہ لوگ ہیں' جنہیں گرو جی کی خدمت میں ہمیشہ حاضر رہنے کی سعادت حاصل تھی۔ 1912ء میں یہ کتاب بھگت رتناول جب دوبارہ شائع ہوئی' تو یہ واقعہ کتاب سے حذف کردیا گیا' کیونکہ اس سے قبل مٹکاف کی کہانی آچکی تھی۔

(باقی صفحہ 30 پر)

گرو تیغ بہادر

بقیہ: خلفائے راشدین کی روایات پر قائم..........

مساجد ،حمام ،خانقاہیں ،مدارس اور ہسپتال قائم کیے۔ راستوں کی مرمت کی اور باغات بنائے۔ آپ کے زمانے میں دہلی دنیا کا جدید اور آباد شہر بن گیا۔ آپ نے قاضیوں کو مقرر کیا۔ ہر ولایہ (صوبہ) میں اپنا نائب بھیجا اور یہ اعلان کروایا کہ سلطان کی طرف کسی کا کوئی حق ہو تو وہ اس نائب کو اطلاع دے تاکہ وہ سلطان کو پہنچائے۔

اورنگ زیب نے اسلام اور اس کے احکامات پر بے باکی سے عمل کرنے کا مظاہر کیا۔ چنانچہ مشرکانہ تہواروں کی تقریبات جیسے نوروز وغیرہ کا بیک جنبش قلم خاتمہ کیا۔ اپنے سامنے زمین بوسی اور جھکنے کو بند کیا۔ دربار میں حاضری کے وقت سلطان کی خدمت میں طویل وعریض قصیدے پڑھے جاتے تھے' جس پر پابندی لگادی' صرف سلام کو کافی سمجھا جانے لگا۔ اسی طرح ملک کے اندر

آپ کی وفات 28ذی قعدہ 1118 ہجری' مطابق 20 فروری 1707 کو ہوئی (جبکہ آپ نے 52 سال حکومت کی)۔ حددرجہ متقی شخص تھے۔ یہاں تک کہ جب موت قریب آنے لگی' تو آپ نے وصیت کی کہ مسلمانوں کے کسی نزدیک ترین قبرستان میں انہیں دفن کیا جائے اور کفن کی قیمت صرف پانچ روپے ہونی چاہئے۔ سلطان کی عمر 90 سال بنتی ہے۔

شراب کی درآمد پر پابندی لگائی ،موسیقاروں اور گویوں کو اپنے شاہی محل سے باہر کردیا۔ ایک دفعہ جب وہ اپنے محل کے باہر تھے، موسیقاروں اور گانے والیوں کو دیکھا کہ انہوں نے سیاہ لباس پہنا ہوا ہے اور روتے ہوئے ایک نعش کو اٹھا کر لے جارہے ہیں۔ اورنگ زیب نے پوچھا' یہ کیا ہے؟ تو ان لوگوں نے بتایا کہ یہ موسیقی اور ڈھول باجے ہیں' جنہیں ہم دفن کرنے جارہے ہیں۔ آپ نے جواباً کہا کہ اچھا اس کو اچھی طرح دفن کرو، ایسا نہ ہو کہ یہ پھر اٹھ کھڑے ہوجائیں۔ آپ نے مذہب پر فتوی' دینے کیلئے قاضیوں کیلئے ایک کتاب تیار کرنے کا سوچا، چنانچہ اپنی نگرانی میں اس کو تیار کروایا ،یہ کتاب'' الفتاوی الہندیہ'' یا'' الفتاوی العالمگیریہ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

اورنگ زیب بیحد زبردست انسان تھے۔ انہوں نے موجودہ پاکستان میں بادشاہی مسجد لاہور تعمیر کروائی' جو آج تک مسلمانوں کے دبدبہ وشوکت کی ایک نشانی اور عظیم یادگار ہے۔ آپ نے سمندر میں پرتگالیوں کا قلع قمع کیا۔ آپ کی عادت تھی کہ رمضان میں جو کی چند روٹیوں سے ہی افطار کیا کرتے تھے اور یہ بھی اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن مجید کو فروخت کر کے اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے۔ مسلمانوں کے بیت المال سے نہ کھاتے۔ آپ حج بیت اللہ ادا نہ کرسکے تھے، تو اس کے بدلے انہوں نے قرآن پاک کے دو نسخے خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر ایک مکہ مکرمہ اور ایک مدینہ منورہ بھجوادیا۔ بڑے عابد انسان تھے۔ مشائخ کے سامنے انکساری سے پیش آتے، ان کے قریب رہتے اور ان کے مشوروں کو سنتے اور ان کی قدر کرتے تھے۔ آپ نے اپنے کمانڈروں کو حکم دیا تھا کہ مشائخ کے مشوروں کو خوب تواضع وانکساری کے ساتھ سنیں۔ اپنے ایک نائب کے بارے سنا' جو بنگال میں تھا کہ اپنے لئے اس نے ایک تخت بنایا ہے' جس پر وہ بیٹھتا ہے۔ اس کی سخت سرزنش کی اور اسے حکم دیا کہ وہ عام انداز میں لوگوں کے درمیان بیٹھا کرے۔ آپ کے اس کردار سے حضرت عمرؓ کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔ آپ ہر پیر ، جمعرات اور جمعہ کو پابندی سے روزہ رکھتے۔ آپ فرض نمازیں اپنے وقت پر صرف اور صرف مسلمانوں کے ساتھ جماعت کے ساتھ ادا کرتے' بلکہ تراویح میں خود قرآن سناتے اور رمضان کے آخری دس دنوں میں مسجد میں اعتکاف کرتے۔ اس طرح وہ اپنے زمانے کے بادشاہوں میں سب سے بڑے بادشاہ تھے۔ آپ نے ایسے ملازمین مقرر کئے' جو رعایا کے حالات قلمبند کر کے آپ کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اپنے اسلاف کے برعکس آپ نے تحائف کی رسم کو بھی بند کردیا۔ آپ دن میں تین مرتبہ لوگوں کی شکایتیں اور مسائل براہ راست سننے کیلئے بیٹھتے اور کوئی دربان یا چوکیدار کھڑا نہیں کرتے تھے۔ آپ نے دو ایسے کام کئے' جس کی توفیق آپ سے پہلے کسی مسلمان بادشاہ کو نہیں ملی۔

ایک تو یہ کہ جب کسی عالم کو کوئی ہدیہ یا وظیفہ دیتے' تو کوئی کام بھی ضرور لیتے تھے ،مثلاً کوئی کتاب تصنیف کرے یا پڑھائے' تاکہ مفت خوری اور سستی کی عادت نہ پڑے' ورنہ علم چھپانے کا گناہ الگ ہوتا اور ناحق مال لینے کا بھی۔

دوسرا یہ کہ وہ پہلے شخص تھے' جس نے شرعی احکامات کو ایک کتاب میں رجسٹرڈ کیا' جو قانون کیلئے ایک مرجع کے طور پر استعمال ہو۔ چنانچہ مذہب کے مطابق فتاوی عالمگیری کو اپنے زیر نگرانی لکھوایا۔

وفات:

آپ کی وفات 28ذی قعدہ 1118 ہجری' مطابق 20 فروری 1707 کو ہوئی (جبکہ آپ نے 52 سال حکومت کی)۔ حددرجہ متقی شخص تھے۔ یہاں تک کہ جب موت قریب آنے لگی' تو آپ نے وصیت کی کہ مسلمانوں کے کسی نزدیک ترین قبرستان میں انہیں دفن کیا جائے اور کفن کی قیمت صرف پانچ روپے ہونی چاہئے۔ سلطان کی عمر 90 سال بنتی ہے۔ اس عمر میں بھی آپ فوج کی کمان خود اور تلاوت قرآن مجید بھی کرتے تھے۔ یہ تھے ہمارے اکابر' جنہوں نے راحت اور آرام کو چھوڑ اور اپنی زندگیاں بس صرف اللہ کیلئے وقف کردی تھیں۔ سلطان ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر'' کی وفات کے ساتھ ہی ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کی عظمت اور شوکت کا بھی اختتام ہوا۔ اس کے بعد کمزور قسم کے حکمران آئے اور یوں یہ سلسلہ چلتا رہا۔ بالآخر 1857ء میں انگریزوں کے ہاتھوں سلطان بہادر شاہ ظفر کا سقوط ہو کر مسلمانوں کی حکومت کا مکمل خاتمہ ہوا۔

فرانسیسی مؤرخ کی نظر میں گھوڑے پر سوار اورنگ زیب عالمگیر

میدان جنگ میں اورنگ زیب اور ان کی افواج

یہی وجہ ہے کہ جب وہ مندر منہدم کیا گیا، تو وہاں کے راجہ دیوی سنگھ نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ یا اس نے ایسے مندروں کو گرایا، جہاں حکومتوں کے خلاف سازشیں کی جاتی تھیں، یا ایسے مندروں کو جہاں غیر اخلاقی حرکتیں کی جاتی تھیں، جیسے بنارس کا وشوناتھ مندر، ڈاکٹر بی، ایم، پانڈے نے اس کی تاریخ اس طرح بیان کی ہے کہ اورنگ زیب جب بنگال جاتے ہوئے بنارس کے قریب سے گزرے، تو اس کی فوج میں شامل ہندو راجاؤں اور کمانڈروں نے وہاں ایک دن قیام کی درخواست کی، تاکہ ان کی رانیاں گنگا اشنان کر سکیں اور وشوناتھ دیوتا کی پوجا کریں۔ اورنگ زیب راضی ہو گئے۔ انہوں نے فوج کے ذریعہ حفاظت کا پورا انتظام کیا۔ رانیاں اشنان سے فارغ ہو کر وشوناتھ مندر روانہ ہوئیں، لیکن جب مندروں سے رانیاں واپس ہوئیں، تو اس میں بعض موجود نہیں تھیں۔ کافی تلاش کی گئی، مگر پتہ نہیں چل سکا، بالآخر تحقیق کاروں نے دیوار میں نصب گنیش کی مورتی کو ہلایا، جو اپنی

بقیہ: اورنگ زیب عالمگیر نہ ہیرو نہ ویلن…………

جگہ سے ہلائی جا سکتی تھی، تو نیچے سیڑھیاں نظر آئیں۔ یہ سیڑھیاں ایک تہہ خانہ کی طرف جاتی تھیں۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ بعض رانیوں کی عصمت ریزی کی جا چکی ہے اور وہ زار و قطار رو رہی ہیں، چنانچہ اورنگ زیب کی فوج میں شامل راجپوت کمانڈروں نے اس مندر کو منہدم کر دینے کا مطالبہ کیا۔ اورنگ زیب نے حکم دیا کہ مورتی کو پورے احترام کے ساتھ دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے اور چونکہ ایک مقدس مذہبی مقام کو ناپاک کیا گیا ہے، اس لئے اس کو منہدم کر دیا جائے اور مہنت کو گرفتار کر کے سزا دی جائے۔ چنانچہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اورنگ زیب نے جہاں مندر منہدم کئے ہیں، وہیں مسجد بھی منہدم کروائی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سلطنت گولکنڈہ کے مشہور فرمانروا تاناشاہ نے سالہا سال سے شہنشاہ دہلی کو شاہی محصول ادا نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنی دولت کو چھپانے کیلئے ایک بڑا خزانہ زیر زمین دفن کر کے اس پر جامع مسجد گولکنڈہ تعمیر کرا دی۔ اورنگ زیب کو کسی طرح اس کی اطلاع ہوئی، تو اس نے اس مسجد کو منہدم کرا دیا اور اس خزانہ کو رفاہ عام کے کاموں میں صرف کر دیا۔ اورنگ زیب کے فرد جرم میں اس بات کو بھی شامل کیا گیا ہے کہ انہوں نے ہندوؤں پر جزیہ لگا دیا تھا، لیکن اس بات پر غور نہیں کیا گیا کہ انہوں نے 80 قسم کے ٹیکس معاف کر دیے، جن میں کئی ٹیکسوں کا تعلق ہندوؤں سے تھا اور جزیہ ان پر اس لئے عائد کیا گیا کہ مسلمانوں سے زکوٰۃ لی جاتی تھی، اگر ہندوؤں سے بھی زکوٰۃ لی جاتی، تو یہ ان کو ایک اسلامی عمل پر مجبور کرنا ہوتا اور مذہبی آزادی کے تقاضے کے خلاف ہوتا، اس لئے اسلام نے غیر مسلم شہریوں پر الگ نام سے یہ ٹیکس مقرر کیا ہے اور اس کی مقدار نہایت قلیل ہے۔ فی کس بارہ درہم یعنی 31 تولہ چاندی سے بھی کم، پھر شریعت کے حکم کے مطابق اورنگ زیب نے عورتوں، بچوں، مذہبی پیشواؤں، معذوروں اور غریبوں کو اس سے مستثنیٰ رکھا اور جزیہ کے بدلے غیر مسلم عوام کے تحفظ کی گارنٹی دی گئی۔

ان سب کے باوجود ہمیں یہ حقیقت ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اورنگ زیب کوئی عالم، مفتی اور صوفی نہ تھے، بلکہ ایک سیاسی قائد اور حکمراں تھے۔ اورنگ زیب سے متعلق جو الزامات ہیں، وہ علم و تحقیق کے بجائے غلط فہمی اور جذبات پر مبنی ہیں، جو لوگ اس معاملہ کی سچائی کو جاننا چاہیں اور غیر جانب دارانہ مطالعہ کرنا چاہیں، انہیں علامہ شبلی نعمانی کی ''اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر''، سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی ''مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری'' (جلد سوم)، مولوی ذکاء اللہ کی ''اورنگ زیب عالمگیر'' اور مولانا نجیب اشرف ندوی کی ''مقدمہ رقعات عالمگیر'' کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

بقیہ: اورنگ زیب 24 گھنٹے کام کرتا تھا

خلاصہ سنا دیتا تھا اور بادشاہ وہیں ان پر احکام صادر کر دیتا تھا۔ اس کے بعد بعض حکام اعلیٰ ان خطوط کو سناتے تھے، جنہیں بیرونی حکام دارالسلطنت کے باہر سے خفیہ بھیجتے تھے۔ ان پر بھی فوراً شاہی حکم صادر ہو جاتا تھا۔ کبھی کبھی حکام اعلیٰ کے کارندے مفصلات کے حاکموں کی وہ گزارشات پیش کرتے، جو سرکاری ذریعہ سے پیش نہ ہو سکتی تھیں۔ اس کے بعد شاہی اخبار نویس مختلف جگہوں کے مقامی اخبار نویسوں کے بیانات کا خلاصہ سناتا تھا۔ اس کے بعد حکام اعلیٰ اپنے ان ماتحت افسروں کی، جن پر ان کی خاص نظر توجہ ہوتی تھی، مناسب الفاظ میں سفارش کرتے تھے۔ بعض محافظ شاہی یا معزز درباری اپنی طرف سے بھی تجویز کرنے کا حق رکھتے تھے۔ جاسوس اور مخبر براہ راست بادشاہ کو اپنی کارگزاری کی خبر کر دیتے تھے، میر توپ خانہ کو بھی یہ عزت حاصل تھی۔ درخواستوں اور ان پر احکام شاہی کی مختلف صورتیں ہوتی تھیں۔ اکثر عرضی پرداز اپنی کارگزاریوں اور خدمات کا ذکر کر کے شاہی لطف و کرم کے امیدوار ہوتے تھے۔ بادشاہ وہیں پر جزوی یا کلی طور پر قبول یا مسترد کر دیتا تھا۔ بعض اوقات نامنظوری نرم اور دلچسپ الفاظ میں ہوتی تھی۔ جیسے ''امیدوار باشد''۔ بعض وہ درخواستیں، جو عام مسلوں کے ساتھ نہیں آتی تھیں، مختلف محکموں کے افسر جیسے دیوان یا بخشی خانہ سامان کے پاس رپورٹ کے لئے بھیج دی جاتی تھیں۔ بعض اوقات درخواست کنندہ کو حصول سفارش کے لئے اس کے افسر اعلیٰ کے پاس بھیجا جاتا تھا۔ جب بادشاہ کی توجہ اور اس کے تجسس کی وجہ سے کسی معاملہ کی اہمیت بڑھ جاتی، تو اس کی تحقیقات کے لئے ایک مقامی کمشنر مقرر کیا جاتا، لیکن یہ صورت انہیں حالات میں پیش آتی تھیں، جب ماتحت حکام میں سے کسی کو یہ شکایت ہوتی کہ اخبار نویس افسر اعلیٰ نے دربار میں اس کی درخواست پیش نہیں کی۔

بقیہ: مغل کو ہندوستان سے عشق…………

وہ اگر ایک ظالم اور ہندو مخالف بادشاہ ہوتا، تو اس کے پچاس سالہ دور حکومت میں ہندوستان بھر کی ان تمام ریاستوں میں جو ان کی قلمرو میں شامل تھیں، ایک بھی مندر نہ ہوتا۔ ان پر لگے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے اور اس کی رواداری اور رعایا پروری کے جذبات سے متاثر ہو کر ایک اور ہندو مورخ نے اپنی کتاب '' تاریخ ہند '' میں لکھا ہے کہ ''کاشی پریاگ اور دوسری عبادت گاہوں کیلئے اس نے جو جاگیریں وقف کیں اور ہندو پیشواؤں کے ساتھ جو رعایتیں برتیں، ان سے اس کی انصاف پسندی ثابت ہوتی ہے۔''

خود اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط ان کے مہربان اور رعایا پرور، انصاف پسند اور روادارانہ حاکم کی حیثیت کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں۔ اس نے بنارس کے حاکم ''ابوالحسن'' کے نام ایک فرمان جاری کرتے ہوئے جو لکھا ہے، وہ ایک تاریخی شہادت ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی رواداری و مساوات پر مبنی ان کے نظام حکومت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''ہماری پاک شریعت اور سچے مذہب کی رو سے یہ ناجائز ہے کہ غیر مذہب کے قدیم مندروں کو گرایا جائے۔ یہ حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ سے کوئی شخص ہندوؤں اور برہموں کو کسی وجہ سے بھی تنگ نہ کرے اور نہ ان پر کسی قسم کا ظلم کرے۔''

مسلم حکمرانوں نے ہندوستان کی سرزمین پر کم و بیش ایک ہزار ایک سو چھیالیس سال حکومت کی اور ہندوستان کو خوب ترقی دی۔ انہوں نے اپنی رعایا میں کبھی ہندو مسلم کا امتیاز نہ برتا۔ ہندوؤں پر کبھی ظلم نہیں کیا، ان پر ٹیکس کا کبھی جبری بوجھ نہ ڈالا، ان کی جان و مال لوٹ کر ان پر زندگی تنگ نہ کی، بلکہ انہیں وہی مراعات مہیا کیں، جو مسلمانوں کو حاصل تھیں ان کی جان و مال کو کبھی نقصان نہ پہنچایا، بلکہ انہیں تحفظ مہیا کرنے کا خصوصی اہتمام کیا اور ملک میں بھائی چارہ و مساوات کو پروان چڑھایا۔ مسلمانوں کے روادارانہ، انصاف پسند نظام حکومت کی تعریف کرتے ہوئے موجودہ ہندو مورخین لکھتے ہیں کہ ''یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہاں ہندو مذہب محفوظ رہا اور جبری اشاعت اسلام نہیں ہوئی۔ مسلم حکمرانوں نے اپنے عہد میں رواداری و مساوات کی فضاء کو ہی قائم نہیں کیا، بلکہ اس کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی آبیاری بھی کی اور ایک خوشحال و کامیاب ہندوستان کی تعمیر کی۔

بقیہ: مغل اعظم اکبر نہیں…………

فرانکوئس کی زبانی سنئے اورنگ زیب کی تعریف

فرانکوئس برنیئر نے 1657ء سے لے کر 1668 کے دوران ہندوستان کا سفر کیا۔ اس وقت برصغیر پر اورنگ زیب عالمگیر (1707d.) کی حکومت تھی، جو کہ ہندوستان کے آخری مضبوط بادشاہ ہوئے ہیں۔

سیاح نے سفرنامہ تحریر کیا۔ اس کی تحریر سے اورنگ زیب کی جو تصویر ابھرتی ہے، وہ ایک مسلمان، نیک خو، ایماندار اور عادل بادشاہ کی ہے۔ اقتباسات دیکھئے۔ ''غضب کی گرمی تھی۔ اپنی کمزوری کے باوجود دن بھر روزہ رکھتا اور حکومت کے سارے کام کاج کرتا اور شام ہوتی، تو درویشوں اور دنیا سے بیزار فقیروں کا سا کھانا کھاتا، جس میں جو اور مکئی کی خشک روٹی ہوتی۔'' شاہجہاں کی بیماری کی طرح اس کی بیماری کی خبر کہیں نہ چھپائی گئی۔ پورے ملک کو معلوم تھا کہ وہ بیمار پڑا ہے، لیکن کسی کا جی نہ چاہا کہ شرافت و انسانیت کے اس پتلے کے خلاف کسی قسم کا کوئی ہنگامہ کرے۔ ''بہت سادہ لباس پہنتا، جس میں پیوند لگے ہوتے۔ تمام ملک کے تعلیمی اداروں کے اخراجات شاہی خزانے سے ادا ہوتے۔

اس نے بادشاہ بنتے ہی ہر قسم کی بیگار، غلہ کی آمد و رفت، بیلوں کی خرید و فروخت، نقل و حمل، دکانوں، مکانوں، سڑکوں اور راہوں کے ٹول اور ٹیکس ختم کر دیے۔ عوام سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کے ٹیکس معاف کئے، جن کی رقم ڈیڑھ کروڑ تک تھی۔ اس نے چھ لاکھ فرامین جاری کئے اور سب اپنے ہاتھ سے لکھے۔ اس نے پہلی دفعہ ہندوستان میں یہ تصور دیا کہ بیت المال امانت ہے اور ٹوپیاں سی کر اور قرآن لکھ کر رزق کمایا۔ برصغیر کے یہ دونوں کردار آج بھی زندہ ہیں، لیکن ہماری سوچوں میں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی تہذیب کو مغلوں نے بہت مالا مال کیا ہے۔ موسیقی، فن تعمیر، طرز حکومت اور ادب میں مغلوں نے ہندوستان کو بہت دیا ہے۔ بعض تاریخ دان کہتے ہیں کہ مغلوں نے ہندوستان کی دولت لوٹی ہے، تو سوال یہ ہے کہ اگر مغلوں نے ہندوستان کی دولت لوٹی تھی، تو یہ دولت کہاں گئی۔ مغلوں کی دولت ہندوستان میں ہی شاندار عمارتوں کی صورت میں آج بھی موجود ہے۔ مغلوں نے یہیں حکومت کی اور وہ اسی سرزمین میں دفن ہیں۔

بقیہ: اورنگ زیب ہندوؤں کا دشمن

مغلوں کے جاں نثار ساتھی راجپوت

تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ مغل تخت و تاج کیلئے بڑے راج پوت راجاؤں اور سرداروں نے پوری جاں نثاری کا ثبوت دیا ہے۔ اس عہد میں جے سنگھ، بھیم سنگھ، گردھر بہادر رتن چند، گوپال سنگھ بھدوریہ، جگ رام، ملک چند، بالی کھتری، بدن سنگھ، مہاراؤ درجن سنگھ، بھوانی رام اور دیا بہادر وغیرہم نے جو جنگی سرگرمیاں اور قربانیاں پیش کیں۔ ان سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ اورنگ زیب کی جانشینی کا ذکر ہم انہی صفحات پر کر چکے ہیں۔ جب بہادر شاہ اوّل (اورنگ زیب کے بیٹے) کی موت پر جانشینی کی جنگ ہوئی، تو دونوں طرف سے راجہ پرتھوی راج بندیلا، دیا رام ناگر، راج سنگھ (کشن گڑھ) وغیرہ پیش پیش تھے۔ اسی طرح فرخ سیر کے عہد میں چھبیلا رام، اودوت سنگھ بندیلا، راجہ گوپال سنگھ بھدوریہ، راجہ بھیم سنگھ، روپ نگر کے راجہ راج بہادر وغیرہ کے نام نمایاں ہیں، جب مغل بادشاہ احمد شاہ کا اختلاف صدر جنگ سے ہوا، تو جے پور کا راجہ مادھو سنگھ ایک بڑی فوج لے کر دہلی آیا اور باہمی اختلافات دور کر کے فضا خوش گوار بنائی۔ ہندوؤں اور خاص طور پر راجپوتوں کو مغل بادشاہوں سے قلبی تعلق اور لگاؤ رہا۔ اس کا اندازہ کرنے کے لئے یہ واقعہ سنئے کہ جب لال قلعہ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا، تو کچھ زمانے کے بعد جے پور کے مہاراجہ دہلی کا یہ قلعہ دیکھنے گئے۔ جب وہ اس جگہ پہنچے، جہاں تخت رکھا جاتا تھا، تو تخت کی خالی جگہ کے سامنے کھڑے ہو کر بے اختیار چلا اٹھے: ''مہابلی پھر کروٹ لے'' ('مہابلی' مغل بادشاہوں کو کہا جاتا تھا۔)

بقیہ: گولکنڈہ کا 'کنگ میکر'…………

تاناشاہ کی حکومت کے چودہ سال مکمل ہونے میں ابھی دس دن باقی تھے کہ زبردست آندھی نے مغل فوج کے خیمے اکھاڑ دیئے۔ کافی دیر کے بعد جب طوفان تھما، تو اورنگ زیب آندھی سے ہونے والی تباہی کا جائزہ لینے نکلا۔ اسے ایک کنارے پر دیا جلتا ہوا نظر آیا۔ اورنگ زیب متعجب ہو کر اس طرف چلا۔ دیکھا کہ دو مغل سپاہی عبادت میں مصروف ہیں۔ وہ نماز سے فارغ ہوئے، تو اورنگ زیب نے ان سے بے ساختہ پوچھا کہ آپ بزرگ ہستیاں ہیں، فتح کی دعا کیوں نہیں کرتے؟ سپاہیوں نے کچھ تامل کے بعد بتایا کہ جب تک وہ قطب نہ مانے، جس کے ذمہ گولکنڈے کی حفاظت ہے، فتح ممکن نہیں۔ اورنگ زیب پہلے تو حیران رہ گیا، پھر اس نے اصرار کیا کہ اس قطب تک رسائی ہونی چاہئے۔ سپاہیوں نے ایک پرچہ لکھ کر اورنگ زیب کو دیا اور اشارہ سے بتایا کہ لشکر حوض میں ایک موچی آپ کو ملے گا۔ اسے یہ پرچہ دے دیجئے اور جواب ہمیں بتایئے۔ دوسرے دن بادشاہ موچی کے پاس جا پہنچا اور سلام کے بعد پرچہ اس کے حوالے کیا۔ اس وقت موچی جوتے سی رہا تھا۔ پرچہ دیکھ کر پہلے تو ناراض ہوا، پھر کوئلے سے اس پر لکیریں ڈال کر واپس کر دیا۔ اورنگ زیب پرچہ واپس لے کر سپاہیوں کے سامنے پہنچا اور پرچہ ان کے حوالے کر دیا۔ وہ پرچہ دیکھ کر مایوس ہوئے اور کہا کہ موچی کا ماننا مشکل ہے، ایک بار پھر جائیں، شاید مان جائے۔ ساتھ ہی انہوں نے پرچہ پر اپنی اشاروں کی زبان میں ایک اور تحریر لکھ دی۔ اورنگ زیب اگلے دن پھر موچی کے پاس جا پہنچا۔ موچی کچھ دیر تک رقعہ کو گھورتا رہا، پھر 'نگرانی ختم' کہہ کر جوتے اٹھائے اور ایک طرف نکل گیا۔ اس واقعہ کے تیسرے دن قلعہ فتح ہو گیا۔ اورنگ زیب نے دونوں سپاہیوں کی تلاش شروع کی، تو پتہ چلا کہ جس روز موچی غائب ہوا تھا، اسی رات دونوں سپاہیوں کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔ یہ واقعہ پڑھ کر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر تاناشاہ کی حکومت 14 سال انار کے 14 دانوں سے مشروط تھی، تو پھر اگر 'موچی' اپنی نگرانی نہ ختم کرتا، تب بھی کیا گولکنڈہ کو فتح نہیں ہو جانا چاہئے تھا؟ دوسرے لفظوں میں اگر موچی نگرانی ختم کرنے سے انکار کر دیتا، تو کیا تاناشاہ مزید حکومت کرتا رہتا، حالانکہ اس نے صرف 14 دانے کھائے تھے۔ اس کی ایک تشریح یہ بھی کی جا سکتی ہے کہ موچی کے انکار کے بعد تاناشاہ کی حکومت تو ختم ہو جاتی، لیکن اس کے خاندان کی حکومت بدستور رہتی۔ بہر حال یہ بھی ان بہت سے واقعات میں سے ایک ہے، جو تاریخ کی کتابوں میں موجود تو ہیں، لیکن ان کی روایت کے سو فیصد درست ہونے کے شواہد نہیں ملتے۔

بقیہ: اورنگ زیب۔ تاریخ کی عدالت میں

لوگ اسے کس بنا پر صوفی کہتے ہیں، میری سمجھ سے باہر ہے۔ صرف مظلومیت کی موت کیا اللہ کا ولی بنا دیتی ہے؟ چاہے وہ ایک بچہ کیلئے در در پھرے اور برہنہ پھرے؟ اس پر الزام تھا کہ وہ کلمہ کا آغاز یعنی اللہ نہیں ہے پڑھتا ہے اور آگے خدا کے اقرار کا حلف پورا نہیں کرتا۔ ایک مجذوب کی مجذوبیت سمجھ کر اسے نظر انداز کر دیا جاتا، تو بہتر تھا، مگر منصور حلاج بننے کیلئے بیتاب سرمد کو اس کی خواہش کے عین مطابق ملاؤں نے پھانسی پر چڑھا کر امر کر دیا۔

برصغیر کی ماتمی ذہنیت نے اسے صوفی بنا دیا۔

جہاں تک شیعوں کی بات ہے، تو اورنگ زیب کے تینوں تاریخ دان، مستعد ساقی، کاظم شیرازی اور خافی خان، سب شیعہ تھے۔ اس کے کھانے کا چیف محافظ عالی خان بھی شیعہ تھا۔

آخری نتیجہ

اورنگ زیب سے سیکولر مورخین کی نفرت اور تعصب روا رکھنے کی وجہ بظاہر یہی لگتی ہے کہ وہ ایک کٹر مسلمان تھا۔ نماز اور قرآن کی پابندی کرتا تھا۔ شراب پر پابندی کو اس نے برقرار رکھا۔ قمار بازی، درشن بازی، مہنگے تحائف، قصیدہ گوئی پر اس نے بندش لگا دی تھی۔ متعصب لبرل مورخین سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا کہ ایک نسبتاً اسلام کا نام لیوا بادشاہ چاہے سطحی ہی کیوں نہ ہو، اس کی تعریف کیونکر کی جائے؟

اس طرح ان کی اقتدار کی جنگ میں اس نے وہی کیا، جو اس دور میں سب کرتے تھے۔ اس کی کوئی بھی جنگ اسلام کے لئے نہیں تھی، بلکہ سب کچھ اپنے اقتدار کے استحکام کے لئے تھا۔ اس کے باوجود عمومی طور پر اورنگ زیب نے نسبتاً رحم دلی کا مظاہرہ کیا۔ اس کے دور میں عام عوام کیلئے سرکاری وکیل ہوتے تھے، ٹیکس کی شرح تمام مغل دور سے کم تر ین تھی، وہ ساری عرضیوں پر خود جواب لکھتا تھا، دن میں تین چار دربار لگاتا تھا اور پرچہ نویسی سسٹم کی بدولت تمام برصغیر کے علاقوں کے حالات سے باخبر رہتا تھا۔ تاریخ دان انصاف کریں یا نہ کریں، تاریخ اورنگ زیب عالمگیر سے ضرور انصاف کرے گی۔

بقیہ: اورنگ زیب کی بیٹی زیب النساء…………

ویسے شہزادی کا تخلص مخفی تھا۔ شہزادی کی ایک بیاض تھی جو اس کی ایک خاص خواص کے پاس رہتی تھی۔ ایک دفعہ یہ خواص کسی حوض پر جھکی ہوئی تھی کہ بیاض اس کے کپڑوں میں سے نکل کر حوض کے اندر گر پڑی، مگر حوض کے اندر اتر کر جب بیاض کو تلاش کیا گیا اور حوض کا پانی نکالا گیا، اس وقت تک روشنائی کا ایک ایک حرف دھل چکا تھا۔ اس طرح زیب النساء کے بے بہا اشعار کا خزانہ پانی کی نذر ہو گیا اور بیگم اپنی خاص خواص سے قطعی ناراض ہو گئی۔ مجبوراً خواص نے شہزادی کے استاد ملا سعید سے سفارش چاہی۔ خواص پر رحم کر کے ملا نے ایک مثنوی کہہ کر بطور معذرت نامہ خواص کی جانب سے حضور میں پیش کی۔ اس مثنوی کے چند شعر یہ ہیں:

اے ادا فہمے کے پیش فاضلان عصررا
شستن مجموعہ اندیشہ باب افتادہ است
آں بیاض خاصہ شاہی کہ دراطراف آں
جائے افشاں نقطہائے انتخاب افتادہ است

زیب النساء کی وفات 1113ھ میں ہوئی۔ اس وقت اس کی عمر 65 سال کی تھی۔ شہزادی زیب النساء کے اشعار بزم تیموریہ مرتبہ صباح الدین عبدالرحمان میں ملتے ہیں۔ شہزادی کا ایک شعر بہت زیادہ مشہور ہے۔

حجاب نوعروساں بردر شوہر نے ماند
اگر ماند شبے ماندہ شبے دیگر نے ماند

اورنگ زیب کی اولادیں

عالمگیر کے اوصاف میں سے یہ بھی ایک وصف تھا کہ اس نے اپنے بیٹوں کو طاعت وصلاح وپرہیز گاری وقواعد اطوار، سرداری اور بہت طرح کے ہنر سکھائے تھے۔ حافظ کلام اللہ، علم وادب سے بقدر معتد بہ آگاہ۔ اقسام خطوط لکھنے میں ماہر، زبان ترکی وفارسی خوب جاننے والے تھے اور بیٹیاں بھی عقائد حقہ اور احکام ضرور یہ دینیہ سے واقف اور تلاوت وکتابت قرآن میں ماہر تھیں۔ بادشاہ کے پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں' اگر چہ ان شہزادوں کا حال تاریخ میں بیان کیا گیا ہے' مگر یہاں دونوں شہزادیوں کی لیاقت علمی کا بیان کیا جاتا ہے۔

نام: زیب النساء۔ ولادت 1045ھ تاریخ وفات 1103ھ۔

نام: زبدۃ النساء۔ ولادت 1016ھ وفات 1718ھ

نام: محمد سلطان - ولادت 1049ھ تاریخ وفات 1088ھ

نام: اعظم شاہ - ولادت 1063ھ وفات 1118ھ

نام: معظم شاہ عالم بہادر شاہ - ولادت 1053ھ وفات 1112ھ

نام: اکبر شاہ - ولادت 1047ھ وفات 1116ھ

نام زینب النساء۔ ولادت 1053 وفات 1110ھ

نام مہر النساء - ولادت 1072ھ وفات 1116ھ

نام: بدر النساء۔ ولادت 1057 ھ وفات 1081ھ

نام: کام بخش۔ ولادت 1077ھ وفات 1120ھ

سب سے بڑا بیٹا محمد سلطان تھا۔ نواب بائی اس کی ماں تھی۔ کلام مجید کا حافظ تھا۔ عربی، فارسی، ترکی کے لکھنے پڑھنے میں کافی مہارت رکھتا تھا۔ محاربات میں شجاعت، دلیری دکھائی۔ 12 جلوس میں وفات پائی۔

دوم: پسر محمد شاہ عالم بہادر بھی نواب بائی کے بطن سے پیدا ہوا۔ حافظ قرآن، علم وقرأت وتجوید سے آگاہ۔ اس طرح ترتیل وترسیل سے قرآن پڑھتا تھا کہ اس کے سننے سے سامع کا دل نہ بھرتا تھا۔ ایام شباب کو زیادہ تر تحصیل علم میں صرف کیا۔ علم حدیث میں اس کو ندوۃ المحدثین کہتے تھے۔ فقہ میں قرآن وحدیث سے استخراج مسائل کر لیتا تھا۔ عربی زبان ایسی بولتا تھا کہ اہل عرب پسند کرتے تھے۔ فارسی' ترکی میں بھی خوب استعداد تھی۔ اقسام خطوط لکھنے میں استاد تھا۔ اکثر شب کو نوافل کو ادا کرتا' وظائف کی تقدیم' قرآن مجید کی قرأت' حدیث اور تفسیر وفقہ وسلوک کی کتابوں کا مطالعہ کرتا ،وقت پر فجر کی نماز پڑھتا، جب ایک دو نیزہ آفتاب بلند ہو جاتا' تو وہ مصلّی سے اٹھتا۔ بعد اس کے غرفہ میں بیٹھتا اور ستم رسیدوں کی ملتمسات کو سنتا اور بقدر مصلحر یہاں توقف کرتا۔ بعد ازاں دیوان خاص کو دیوان عام کے ساتھ آرائش دیتا۔ مقدمات مالی وملکی بوساطت دیوانوں اور بخشیوں اور متصدیوں کے معروض ہوتے اور لوگوں کے مقصد نکلتے۔ ظہر کی نماز کے بعد محل میں جاتا۔ تناول طعام وقیلولہ کرتا' بعد اس کے عصر کی نماز پڑھتا اور پھر مظلوموں کے درد کی دوا کرتا۔ مغرب کی نماز پڑھتا اور پھر شبستان میں جا کر آرام کرتا۔ یہ بادشاہ کا بیٹا سیدھا سادا تھا اور باپ کی وہ اطاعت کرتا تھا کہ غلام آقا کی تابعداری کیا کرے گا۔ کبھی کوئی بات بلند نظری کی منہ سے نہیں نکلتا اور باپ کا کہا ساری باتوں میں مانتا۔ اورنگ زیب کا حال بھی جوانی میں ایسا ہی تھا کہ وہ بالکل اولو العزمی سے خالی ہاتھ' اس لئے وہ سادگی کو اپنی سادگی سمجھتا۔

سوم: محمد اعظم دل رس بانو بیگم سے پیدا ہوا' جو شاہ نواز خان صفوی کی بیٹی تھی۔ سب بیٹوں میں بادشاہ اس بیٹے کو بہت پیار کرتا تھا۔ اکثر بادشاہ اس کو مصاحب بے بدل نزدیک کہتا۔ باپ سے تین مہینے تین یوم بعد معرکہ آرائی میں مارا گیا۔

چہارم: محمد اکبر دل رس بانو کے بطن سے پیدا ہوا۔ 1116 میں مر گیا۔ عالمگیر اس میں دو خوبیاں بتاتا تھا۔ ایک نماز باجماعت پڑھتا ہے۔ کوئی جمعہ ترک نہیں کرتا اور مخالفان دین سے کچھ باک نہیں رکھتا۔

پنجم: کام بخش بائی اودے پور سے پیدا ہوا اور حافظ قرآن تھا۔ کتب متداولہ میں اور بھائیوں سے زیادہ ماہر تھا۔ زبان ترکی میں اور اقسام خطوط لکھنے میں مہارت تھی' شجاعت وسخاوت جلی اس میں تھیں۔ باپ سے دو سال بعد مر گیا۔

اب بیٹیوں کا حال یہ ہے کہ زیب النساء بیگم بطن بیگم سے پیدا ہوئیں۔ حافظ کلام مجید تھیں' جس کے عوض میں باپ نے تیس ہزار اشرفیاں دی تھیں' وہ علوم عربی وفارسی سے مہارت رکھتی تھی۔ اقسام خطوط نستعلیق وشکستہ میں خوش نویس تھی۔ وہ علم کی قدر شناس تھی۔ کتابیں جمع کرتی۔ تصنیف وتالیف میں مصروف رہتی۔ ارباب فضل وکمال کی خوشنودی میں توجہ کرتی' سرکار شاہی کے کتب خانہ میں جتنی کتابیں اس نے پڑھی تھیں' اتنی کسی اور نے نہیں پڑھیں۔ بہت سے علماء وفضلاء وصلحاء وشعراء ومنشیان طلاغت وثار وخوشنویسان سحر نگار اس کے انعام سے بہرہ ور ہوتے۔ صفی الدین اردبیلی کشمیر میں رہتا تھا۔ اس کے حکم سے تفسیر کبیر کا ترجمہ کیا۔ اس کا نام زیب التفاسیر ہے اور اس کے نام پر کتابیں اور رسالے بھی تصنیف ہوئے ہیں۔ 24 جلوس میں انتقال ہوا۔ دوم: زینب النساء بھی بیگم کے بطن سے پیدا ہوئی۔ عقائد حقیہ واحکام ضرور یہ دینیہ سے آگاہ تھی۔ بہت سخی تھی۔ سوم: بدر النساء بیگم نواب بائی کے بطن سے پیدا ہوئی۔ حافظ قرآن مجید تھی۔ علم دینی سے واقف ہوئی۔ سپہر شکوہ پسر دارا شکوہ سے نکاح ہوا' جس مہینہ میں باپ مرا' اس مہینہ میں وہ مر گئی۔

پنجم: مہر النساء بیگم بطن اورنگ آبادی محل سے پیدا ہوئی ایزد بخش پسر مراد بخش سے بیاہی گئی 1116ھ میں انتقال ہوا۔

بقیہ: اورنگ زیب سکھ دشمن تھا........

ایک کتاب۔ ''سکھاں دے راج'' جو 1862ء اور 1892ء میں دوبار چھپی' اس کتاب میں بھگت رتناول کی طرح گرو تیغ بہادر کو اورنگ زیب کے ذریعہ سزائے موت دیئے جانے کا کوئی ذکر نہیں ہے' لیکن اس کتاب کے گرمکھی ایڈیشن میں اصلیت کے برخلاف اورنگ زیب کا نام اور یہ واقعہ شامل کر دیا گیا ہے' مگر یہ درست ہے کہ اورنگ زیب کے عہد میں مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں کی بغاوتیں ہوئیں' لیکن کوئی فرقہ وارنہ فساد نہیں ہوا۔

سادہ بیانیے

دراصل دونوں گروؤں کے ناحق قتل ان کے عقیدت مندوں میں تحرک کا باعث بنے۔ کمزور سکھ برادری کو ختم کرنے پر تلے انتہا پسندوں کے ہاتھوں میں موجود طاقتور مغل سلطنت کے ساتھ نسلوں سے جاری نہ ختم ہونے والی جنگ میں نیکی وبدی کے درمیان آخری معرکے جیسے عقیدت مندی کے حامل جذبات شامل ہو چکے تھے۔ آہستہ آہستہ جوں جوں ان تاریخی واقعات کو مذہبی رنگ حاصل ہوتا گیا' ویسے ویسے یہ واقعات اپنے سیاسی حقائق سے محروم ہوتے گئے۔ یہ سادہ سی وضاحتوں تک محدود ہو گئے' جن میں نازک پہلوؤں کا مطالعہ شامل نہیں تھا۔ مغلوں اور سکھوں کے تعلقات میں موجود پیچیدگی ختم ہو چکی تھی۔

جہاں ایک جانب گرو ہرگوبند سنگھ کو ایک بہادر ہیرو، جس نے سکھ برادری کو اپنے تحفظ کیلئے مسلح کیا اور جنہیں جہانگیر نے سزا دی تھی کے طور پر پیش کیا گیا۔ وہاں مغل شہنشاہ کے ساتھ ان کے دیگر مزید پیچیدہ تعلقات کی کہانیاں کھو گئی تھیں۔ ان کا جہانگیر کے ساتھ گٹھ جوڑ گہری دوستی میں تبدیل ہو چکا تھا۔ ایک وقت پر تو انہوں نے اپنی افواج کی مدد سے سلطنت میں اٹھنے والی بغاوت کو کچلنے کیلئے شہنشاہ کی مدد بھی کی تھی۔

اسی طرح گرو ارجن کے قتل کی وضاحت جہانگیر کی انتہا پسندی کے ذریعہ کی جاتی ہے' مگر گرو کے شہنشاہ کے باغی بیٹے شہزادہ خسرو کے ساتھ قریبی تعلقات کے ذریعہ بیان نہیں کی جاتی' جس نے اپنے باپ کے خلاف جنگ لڑی اور شکست یاب ہوا۔ اسی فریم ورک میں بڑی ہی خوش اسلوبی سے عدم رواداری اورنگ زیب کا تاثر بھی سجایا گیا' جس نے گرو ہرکرشن اور گرو تیغ بہادر کو دہلی طلب کیا تھا' مگر گرو ہررائے جو گرو ہرکرشن کے والد تھے، ان کی دارا شکوہ کو ان کے بھائی اورنگ زیب کے خلاف مدد کا وعدہ کرنے کی کہانی، اس سادہ سے تاریخی بیانیہ میں قابل قبول نہیں لگتی۔ اپنے بھائی کو ہرانے کے فوراً بعد اورنگ زیب نے گرو ہررائے کو خانہ جنگی میں ان کے کردار کی وضاحت کیلئے دہلی طلب کیا۔ گرو ہرکرشن اور حتیٰ کہ گرو تیغ بہادر کی آمد بھی اسی تاریخی واقعہ سے جڑی تھی۔ مغلیہ سلطنت کے بابر کی گرو نانک کے ساتھ جھڑپ بھی اسی بیانیہ کا ایک حصہ ہے۔ اس کہانی نے دونوں کے جانشینوں کے درمیان تعلقات سے جڑے اشارے دیتے ہوئے پیش گوئیوں کے اعتبار سے اہمیت حاصل کی۔ کہانی کے مطابق بابر کو گرو کی روحانی قوت کا علم نہیں تھا اور اس نے انہیں قید میں رکھا تھا۔ جلد ہی انہیں گرو کے درویش ہونے کا احساس ہو گیا اور انہیں آزاد کر دیا' مگر گرو نانک دربار میں ان کی سرزنش کرنے کے بعد ہی وہاں سے تشریف لے گئے تھے۔ یہی وہ ایک اہم لمحہ تھا کہ جو سکھ گروؤں اور مغل شہنشاہوں کے درمیان تعلقات کی اصل روح کو ظاہر کرنے والا تھا۔ شہنشاہوں کے پاس چاہے کتنی ہی سیاسی طاقت کیوں نہ رہی ہو' مگر بالآخر طاقت اسی سچے بادشاہ، اس گرو کے پاس قائم ودائم رہی۔

نئی دنیا

بانی: مولانا عبدالوحید صدیقی (مرحوم)

چیف ایڈیٹر: شاہد صدیقی

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Nai Dunya Weekly
D-21, Nizamuddin (West)
New Delhi-110013
ٹیلی فون: 011-40542715
011-41827271
E.mail:naiduniya2006@yahoo.com
Vol-47, Issue-21
12 to 18 Nov. 2018
Printer, Publisher and Editor Shahid Siddiqui, Owned by Siddiqui Publications (P) Ltd.
Printed at Alfa Offset Printing Press. 2622-Kucha Chelan, Daryaganj New Delhi-110002
Published From 2,F.F. Nizamuddin West Market New Delhi-110013
All Disputes Subject to Delhi Jurisdiction Only
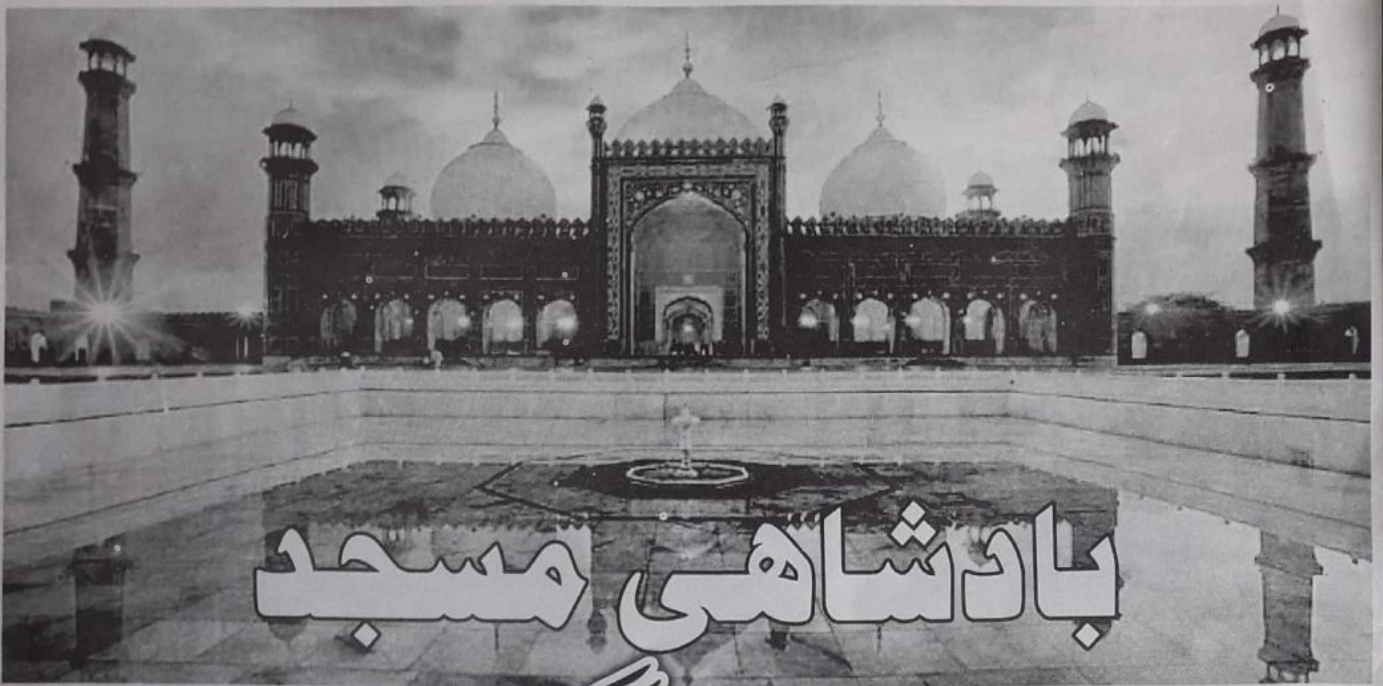
بادشاہی مسجد

اورنگ زیب عالمگیر کا شاہکار!

تحریر: محمد انس شیخ

آیئے! آج آپ کو بادشاہی مسجد لاہور کی تاریخ بتاتے ہیں۔ ویسے تو اس بلند و بالا عمارت اور شایان شان مسجد کے بارے میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے' مگر آج کی تحریر نہ صرف منفرد' بلکہ تاریخ کے اوراق سے حاصل شدہ ایک شاندار تحقیق بھی ہے' جسے پڑھ کر امید کی جاسکتی ہے کہ یہ مضمون قدکاری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ بہرحال یہ تھی ''اپنے منہ میاں مٹھو'' بننے والی بات' مگر حقیقت اس سے کچھ مختلف بھی نہیں ہے۔ جب آپ اسے پڑھیں گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ واقعی حالات و واقعات اور سن عیسوی کا ذکر بہت باریک بینی اور تحقیق کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ مغلیہ سلطنت کے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی بصیرت و آگہی اور مسلمانوں سے محبت کے پیش نظر بادشاہی مسجد کی تعمیر لاہور میں ہوئی۔ بادشاہی مسجد لاہور' جنوبی ایشیا کی تیسری بڑی مسجد ہے۔ اسے دنیا کی بڑی مسجدوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس میں 10 ہزار نمازی اندر اور دس ہزار صحن میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ یہ 1673ء سے 1986ء تک دنیا کی بڑی مسجدوں میں رہی۔ اس کا صحن دنیا کی مسجدوں میں بڑا صحن ہے۔ اس کے مینار تاج محل کے میناروں سے 13 فٹ 9 انچ زیادہ اونچے ہیں۔ مسجد کا صحن 278,784 مربع فٹ وسیع ہے' جس میں تاج محل کا پورا پلیٹ فارم سما سکتا ہے۔ بادشاہی مسجد لاہور چھٹے مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے بنوائی تھی۔ اس کی تعمیر مئی 1671 میں شروع ہو کر اپریل 1673ء میں مکمل ہوئی۔ تعمیر مسجد کی دیکھ بھال اورنگ زیب عالمگیر کے رشتہ کے بھائی مظفر حسین (فدائی خان کوکا) نے کی۔ مظفر حسین 1671ء تا 1675ء لاہور کا گورنر رہا۔ مسجد کو اورنگ زیب عالمگیر کے حکم پر قلعہ لاہور کے بالکل سامنے بنایا گیا' تاکہ بادشاہ کو آنے جانے میں آسانی رہے۔ اس بات کے لئے قلعہ میں ایک دروازہ مزید بنایا گیا' جو عالمگیری دروازے کے نام سے منسوب ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں اس مسجد کا غلط استعمال ہوا۔ پوری مسجد کو گھوڑوں کا اصطبل اور اسلحہ خانہ بنا دیا گیا۔ چاروں میناروں کے گنبد توپوں کیلئے استعمال کیے گئے' جس سے ان کو سخت نقصان پہنچا۔ انگریزوں نے جب سکھوں کو شکست دی' تو مسجد کے استعمال کو بھی بحال کیا۔ اصطبل اور اسلحہ خانہ قلعہ میں منتقل کیا' مگر مسلمانوں سے ان کو خدشات لاحق تھے' اس لئے مسجد کی ایک بڑی دیوار منہدم کر دی' تاکہ مسلمان مسجد کو قلعہ کے طور پر استعمال نہ کر سکیں۔ 1852 عیسوی کے بعد مسجد کی مرمت کا کام شروع ہوا اور مسجد میں نماز کے اجتماعات جاری ہوئے۔ 1939ء سے 1960ء تک اس مسجد میں مرمت ہوتی رہی اور تقریباً پچاس لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔ یہاں تک کہ مسجد اپنی اصلی حالت میں آگئی۔ مرمت کا کام زین یار جنگ بہادر کے ہاتھوں انجام پذیر ہوا۔ 22 فروری 1974ء میں دوسری اسلامی کانفرنس کے موقع پر 39 اسلامی ممالک کے سربراہوں نے اس میں نماز جمعہ ادا کی۔ مولانا عبدالعزیز آزاد خطیب مسجد نے امامت کی۔ اس مسجد کے صدر دروازے کے قریب ایک چھوٹا سا عجائب گھر بھی ہے' جس میں حضور اکرمؐ، حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے تبرکات رکھے ہوئے ہیں۔ 2000ء میں کچھ مرمت اور تزئین کا کام دوبارہ شروع ہوا۔ سنگ مرمر کے ٹائلز لگائے گئے اور 2008ء میں صحن میں سرخ پتھر کے ٹائل لگائے گئے۔ یہ پتھر پرانے پتھروں کے مماثل راجستھان سے منگوائے گئے تھے۔ بادشاہی مسجد لاہور کا ڈیزائن جامع مسجد دہلی کی طرز پر ہے' جس میں اسلامی، ایرانی اور مشرق وسطیٰ عمارت کاری کے ملے جلے اثرات پائے جاتے ہیں۔ صدر دروازے کی سیڑھیاں سنگ علوی کی ہیں' جو سنگ مرمر کی ایک قسم ہے۔ اصل مسجد کی چھت سات مختلف حصوں میں تقسیم کی ہوئی ہے' جو محرابوں پر مشتمل سات گنبدوں سے پاٹی گئی ہے۔ بیچ کے تین گنبد دوہری اونچائی کے ہیں، جبکہ بقیہ چار گنبد چپٹی شکل کے ہیں۔ بیچ کے تینوں گنبد سفید سنگ مرمر کے ہیں۔ مسجد کا صدر ہال جہاں امام کھڑا ہوتا ہے، ایک طرح کی استرا کاری Stucco کی بہترین مثال ہے۔ دیواروں اور چھت کی روغنی تزئین Fresco اور سنگ مرمر inlaid کا کام بہت عمدہ کیا ہوا ہے۔ بیرونی دیواروں پر سنگ سرخ پر سنگ مرمر کی چھلائی اور کارنسوں کا کام دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ سنگ مرمر کی جڑائی کا کام بھی بہت صفائی سے کیا گیا ہے۔ پھول پتوں میں کنول کے پھول سفید سنگ مرمر سے سرخ پتھر میں پیوست کیے گئے ہیں۔ پھولوں کے ڈیزائن یونانی، وسطی ایشیاء کی عمارت کاری سے مشابہت رکھتے ہیں۔ مغل نقش و نگار اور شایان شان عمارت کاری میں توازن Symmetry کا بڑا خیال رکھا جاتا تھا۔ اسی لحاظ سے شمال اور جنوب میں دروازے نہیں بنائے گئے' کیونکہ شمال میں راوی بہتا تھا، دروازہ نہیں بن سکتا تھا' اس لئے جنوب میں بھی دروازہ نہیں بنایا۔ دیواریں سرخ اینٹوں سے چونے کے گارے کے ساتھ بنائی گئی ہیں۔ اصل فرش سرخ اینٹوں سے بنایا گیا تھا، بعد میں مرمت کے وقت سنگ سرخ استعمال کیا گیا۔ صدر ہال میں جو سنگ مرمر استعمال کیا گیا ہے' اسے ''سنگ ابری'' بھی کہتے ہیں۔ قرآنی آیات صرف دو جگہ لکھی گئی ہیں۔ ایک صدر دروازہ پر اور دوسری جگہ محراب و منبر کے اوپر کلمہ لکھا ہوا ہے۔ بادشاہی مسجد آج بھی مغلوں کی عظمت کی گواہی اور جاہ و جلال کی تصویر ہے۔ مغل فن تعمیر کا کمال یہ ہے کہ اس کے چاروں گنبدوں پر چڑھ کر چند کلومیٹر دور مقبرہ جہانگیر کے میناروں کو دیکھیں' تو صرف تین ہی مینار نظر آئیں گے' چوتھا چھپ جاتا ہے۔ اس طرح جہانگیر کے مقبرے سے بادشاہی مسجد کے میناروں کو دیکھیں' تو وہاں سے بھی صرف تین ہی مینار نظر آتے ہیں، چوتھا نظروں سے اوجھل ہی رہتا ہے۔

بادشاہی مسجد کا خوبصورت گیٹ و گنبد

رات میں بادشاہی مسجد کے گیٹ کا منظر

بادشاہی مسجد میں محرابوں کی خوبصورت تزئین کاری

NAI DUNIYA Weekly NEW DELHI-13 Vol.: 47 Issue.:21 RNI NO.: 25633/73 Postal. REGN. No.: DL (s) 01/3123/2018-20

جب کم عمر اورنگ زیب نے پاگل ہاتھی سے ٹکر لی تو شاہجہاں اس کی ہمت اور بہادری کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔
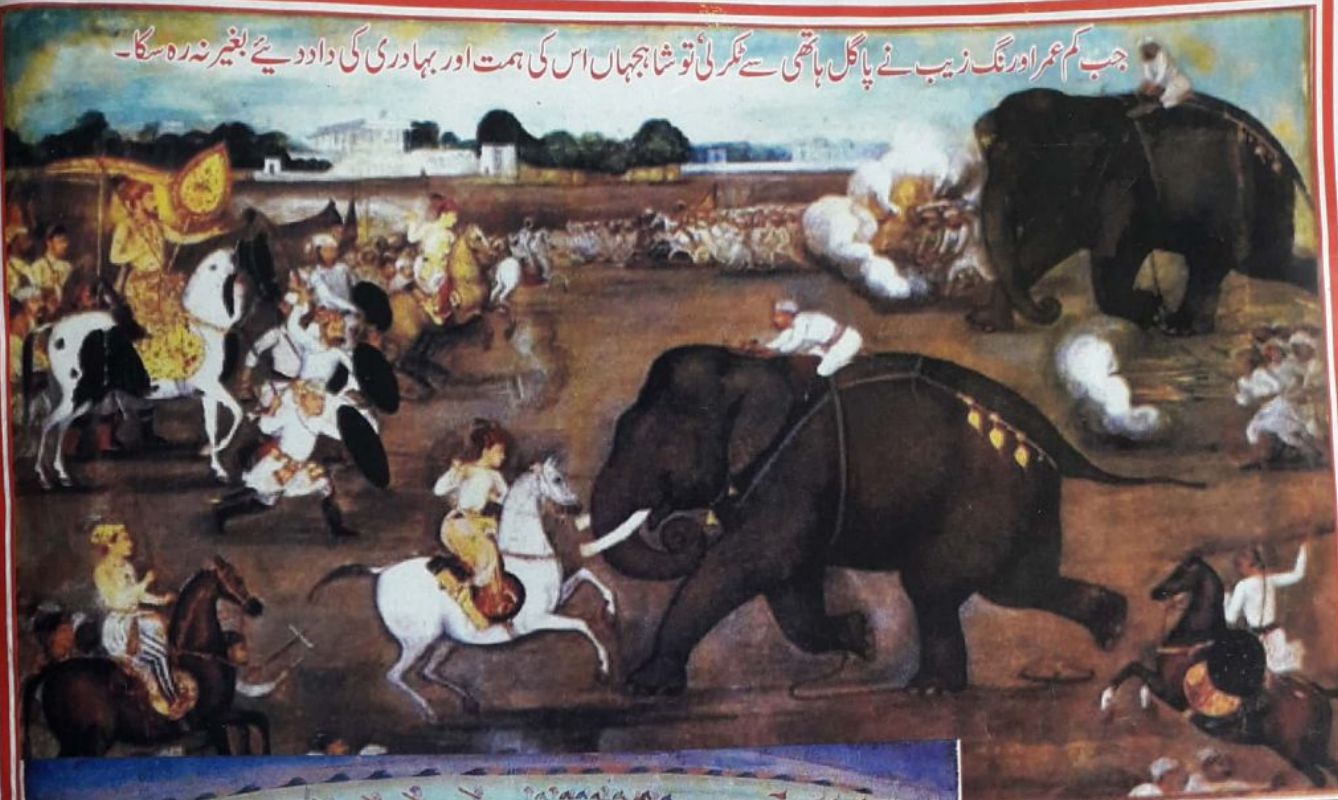
اورنگ زیب تصویروں کے آئینے میں

بڑھاپے میں پالکی میں بیٹھ کر اورنگ زیب میدان جنگ میں کمان سنبھالے ہوئے

جوانی میں اورنگ زیب کو شہسواری کا بہت شوق تھا' اس وقت کی تصویر

اورنگ زیب کے دربار کا ایک منظر مغل مصور کی نظر میں

اورنگ زیب کی ایک یادگار تصویر